کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:14 Issue:9 December 2021

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

جنوں چھوڑ کر اب ہوش میں آ بھی

مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ (سورۂ ال عمران)

ترجمہ: اور اگر تم مرجاؤ یا قتل ہوجاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکھٹے کیئے جاؤ گے۔

توضیح:۔ زندگی نام ہے فریب، دغا، سراب، امتحان کا؛ جب کہ موت نام ہے خوفنا کی، کڑواہٹ اور ناقابلِ افکار سچی حقیقت کا، موت وزیست ہر جاندار و بے جان کا مقدر ہے؛ لیکن زیست کی رونقیں، اس کی کلفتیں انسان کے لیے ابتلاء وآزمائش ہوتی ہیں پھر اس کے بعد موت ہے جو دراصل دوسری قسم کی حیات کی ابتدا ہے، اس حیات کا رنج وسرور موقوف ہے دنیوی حیات پر، چنانچہ جو حیات منشاءِ رب پر گزرے اس کے لیے حیات بعد الموت گل وگلزار ہے، جو حیات مرضیات رب کے خلاف گزرے اس کے لیے دنیوی زندگی بھی کانٹوں بھری ہوگی، اور اخروی حیات بھی کلفتوں سے دوچار ہوگی، دنیا کی ہوس میں گرفتار، فکر آخرت سے غافل انسانیت کو مقصد زندگی سمجھاتے ہوئے اور اخروی ہولنا کیوں کا خوف دلاتے ہوئے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها، وتمنى على الله، دانش مندی وعقل مندی یہ ہے کہ آدمی اپنے مقصد حیات کو جانے اور آخرت کے توشہ کی فکر کرے کیونکہ عقلمند کا کام اس چندروزہ رنج وراحت کی فکر میں لگے رہنا نہیں ہے؛ بلکہ مابعد الموت کی فکر کرنا ہے کہ میرا وہاں کیا انجام ہونے والا ہے۔ ہماری اپنی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ دنیوی ہموم وغموم کو ختم کرنے کے لیے سوجتن کرتے ہیں، اپنی جدوجہد کا محور بلکہ زندگی کا نصب العین ہی دنیوی راحت وآرام کو بنا لیتے ہیں اور تمناؤں کے محل تعمیر کرتے چلے جاتے ہیں "اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ" لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ فکریں تو ختم نہیں ہوتیں؛ بل کہ بڑھتی ہی رہتی ہیں، اس کے برعکس دینی شعور رکھنے والا ہی اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ فکر آخرت سارے غموں کا

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، حیدرآباد

علاج اور تمام شبہات کا جواب ہے، اسی حقیقت کو ابن عساکرؒ نے یوں سمجھایا ہے ''ہر قسم کی سعادت مندی، کامیابی اور کامرانی موت کی تیاری میں پنہاں ہے کیوں کہ موت جنت یا جہنم کا دروازہ ہے، نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا" لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو" جس دل پر فکر آخرت سوار ہو اور خوف خدا غالب ہو ایسے دل میں دنیا کی محبت اور سامان دنیا کی رغبت پیدا نہیں ہوسکتی اسے تو بس ایک ہی احساس کھاتا رہتا ہے کہ آخرت میں میرا کیا بنے گا کیوں کہ اب تک دنیا میں اتنے نامور آئے اور بے نشاں ہوگئے، میں کہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہوں، مجھے بھی ایک دن سب چھوڑ چھاڑ کر راہی ملک عدم ہونا ہے ؎

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لیے کس کس کا ماتم کیجئے

معارف الحدیث میں حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایمان کے بعد انسانی زندگی کو سنوارنے، اس کی روح کو پاکیزہ اور فوز وفلاح کے مقام بلند تک پہنچانے میں جو چیز سب سے زیادہ مؤثر ہے وہ ہے خشیت الٰہی اور احساس آخرت چنانچہ خود نبی کریم ﷺ نے ایمان ویقین کے بعد اپنے صحابہؓ پر سب سے زیادہ زور خشیتِ الٰہی اور فکر آخرت پر دیا ہے اس لیے کہ خشیت الٰہی ہر جرم کے لیے سد باب ہے اور اخروی کامیابی ہی مقصد زندگی کا حاصل ہے ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر (اللہ کے قہر وجلال اور قیامت وآخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمھیں وہ سب معلوم ہوجائے جو مجھے معلوم ہے، تو تمھارا ہنسنا بہت کم ہوجائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔''، ایک حدیث میں اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر تم وہ باتیں جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہوسکتے اور اللہ سے نالہ وفریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کاش! میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

آج ہمارے معاشرے کا نوجوان جن اخلاق سوز امراض کا شکار ہے اور جسے کبائر ومحرمات تک کی پروا نہیں ہے، ایسے وقت میں اہل شعور کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان کے سامنے ان حقائق کو بیان کریں کہ مقصد زندگی کیا ہے؟ دنیا کس قدر متاع الغرور ہے، موت کیسی ہیبت ناک چیز ہے، برزخ کے معاملات کتنے اندوہناک ہیں، محشر کی پریشانیاں کس قدر ہوش ربا ہونگیں، جنت کس کا مقدر ہوگی، کون محروم القسمت جہنم کا مستحق بنے گا، شاید ان تذکروں سے دل موم ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



درسِ حدیث

حلال کمائی کے ذرائع اختیار کریں

مولانا مفتی محمد ارشاد قاسمی*

عَنْ السَّائِبِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ للنبی ﷺ كُنْتُ شَرِيكِي فِي الجاهلية فكُنْتَ خَيرَ شريكٍ كُنْتَ لَا تُدَارِيني وَلَا تماريني (رواہ ابن ماجہ:166)

ترجمہ: حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا آپ جاہلیت میں نبوت سے قبل میرے ساتھ شرکت پر کام کرتے تھے، اور آپ بہترین شریک تھے، آپ کوئی لڑائی جھگڑا اور کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے سائب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت پر تجارتی کام کیا تھا اور شرکت کے کام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجربہ تھا اسی وجہ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت میں برکت کا ذکر کیا، اور نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی معاشی صورت اختیار نہیں فرمائی تھی، البتہ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بکریوں کے ہونے کا ذکر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے اور شادی سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مضاربت یا شرکت پر کام کیا تھا اور اس تجارتی سلسلے میں شام کے علاقے میں تشریف لے گئے اور خوب نفع کے ساتھ واپس مکہ تشریف لائے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کو دوگنا نفع ہوا جتنا اور لوگوں کو تجارت سے ہوتا تھا، پھر انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بھی دوگنا دیا جتنا طے کیا تھا۔

نفسیہ جو یعلی بن منیر کی بہن ہیں کہتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو ابو طالب نے کہا میں غریب آدمی ہوں کچھ زمانہ کے ہم پر مصائب ہیں آپ کی قوم تجارتی سلسلے میں شام جارہی ہے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا

* استاذ حدیث وافتاء مدرسہ ریاض العلوم، گوریني، جون پور

ایک مال دار عورت ہیں مضاربت پر تجارتی سامان بھیجا کرتی ہیں، لوگوں کو شام تجارتی قافلے میں بھیج رہی ہیں اگر آپ خدیجہ سے اس مسئلے میں کچھ بات کرلیں تو وہ بہت جلد آپ کے لئے تیار ہوجائے گی، چناں چہ حضرت خدیجہؓ کو یہ خبر ملی انہوں نے ایک آدمی بھیجا کہ آپ میرے تجارتی سامان کو لے جائیں، جتنا میں اور کو دیتی ہوں اس سے دوگنا میں آپ کو دوں گی۔ چنانچہ نفیسہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت نفع ہوا اور حضرت خدیجہؓ نے اس سے بہت زائد دیا جو مقرر کیا تھا۔ (ابن سعد ۱/۱۳۱)

ابن جوزیؒ نے لکھا کہ اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سفر کیا جو یمن کی طرف تھا، یہ سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ تھا، اور شام کا یہ سفر دوسرا سفر تھا شام کا پہلا سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ۱۲/سال کی عمر میں کیا تھا، بہر حال یہ اسفار نبوت سے پہلے ہوئے تھے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجرت پر بکریوں کا کام بھی کیا جس کا ذکر بخاری میں ہے۔ نبوت کے بعد تو آپ ہمہ تن دعوت میں لگ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دعوتِ تبلیغ سے فرصت ہی نہیں ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معاش کے سلسلہ میں کوئی قدم اُٹھاتے۔ البتہ مدینہ منورہ میں کچھ وقفہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بکریاں اچھی مقدار میں گئی تھی، باقی حضرات انصار آپ کا تعاون کیا کرتے تھے۔ خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ زمین کی آمدنی کو اپنے قبضہ میں کرلیا کرتے تھے جس سے بیویوں کا نفقہ اور آنے والے مہمانوں پر اور سائلین پر خرچ کیا کرتے تھے۔ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبضہ میں کوئی ایک درہم و دینار بھی نہیں تھا۔

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا وہ حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسبِ معاش کے سلسلے میں فکر فرمائی، اور اس سے کارِ خیر انجام دیئے، اس کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حلال کمائی کے اہتمام کی ترغیب دی، اور تجارت کی بڑی اہمیت بیان فرمائی، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''حلال کمائی جہاد ہے، اور اللہ تعالیٰ دست کار بندے کو پسند فرماتے ہیں''

وہ عمل جو ہاتھ سے کر کے فروخت کیا جائے جیسے فرنیچر، درزی، بڑھئی وغیرہ کا کام یہ کام حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی کیا ہے۔ چناں چہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ '' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی کمائی بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا کہ آدمی کے ہاتھ کی کمائی، اور ہر وہ بیع جو نیکی کے ساتھ ہو (یعنی شرع کے موافق ہو)

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے نوجوانوں کو بے کاری کے مشغلہ سے محفوظ رکھے، حلال کمائی کے ذرائع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

حالات اور تقاضے

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہ نستعین

''اشرف الجرائد'' لاک ڈاؤن کے وقت سے بے ترتیب چل رہا ہے، گذشتہ دو ماہ کا مشترکہ شمارہ برادرِ محترم ومکرم حضرت مفتی محمد عبدالمغنی رحمہ اللہ کے حالات ومضامین پر مشتمل شائع کیا گیا تھا، اب ڈسمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، چندرہ گئے مضامین سابقہ مجلّے سے متعلق اس شمارے میں شریکِ اشاعت ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد سے کاموں اور ذمّے داریوں کا بوجھ راقم سطور پر اور بھی بڑھ گیا ہے، اسی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کام کافی متاثر ہوگیا، دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ دست گیری فرما کر ذمّے داریوں سے ذمہ داری کے ساتھ عہدہ برآ کردے۔ آمین

اس وقت ملک وملت دونوں کے احوال قابلِ تشویش ہیں، نہیں سمجھ میں آتا کہ مُلک کے حکم راں ملک کو کس سمت لے جارہے ہیں اور کیا عزائم ہیں؟ لیکن حالات ومشاہدات کے تناظر میں اتنی بات تو یقینی ہے کہ اس میں کچھ بھی اتفاقی نہیں ہے سب منصوبہ بند اور پابندِ عزم تبدیلیاں ہیں جو یکے بعد دیگرے وجود میں آرہی ہیں، یہ بھی طئے ہے کہ یہ منصوبے اور عزائم اچانک وقوع پذیر نہیں ہوگئے سو سالہ تدبُّر؛ تفکُّر؛ عمیق نظر؛ اور وسیع تجربے کے ساتھ بالارادہ روبہ عمل لائے جارہے ہیں، جو مرتب بھی ہیں اور منظم بھی!

ظاہر ہے کہ ایسی کسی تحریک کو جس نے سو سال تک کسی مقصد کے حصول کی استقامت وصبر کے ساتھ تیاری کی ہو، ایک نظریہ تخلیق کرکے اس کے مطابق مفروضات گڑھے ہوں، تاریخ مسخ کرکے اس کے مطابق بنالی ہو، اسی نظریے کے مطابق نصابِ تعلیم مرتب کیا ہو، درس گاہیں قائم کرکے معصوم ذہنوں کو کے.جی سے پی.جی تک اسی

کلچر کے ماحول اور اسی آئیڈیالوجی کی روشنی میں پڑھایا اور دل و دماغ کو متاثر کیا ہو، اُن کو اس اثنا میں کسی اور طرف دیکھنے کچھ اور سوچنے تک نہ دیا گیا ہو، کسی مُلک کو چلانے اور حکم رانی کا حصہ بننے کے لئے مطلوب ہر شعبے اور عہدے کے لائق بے شمار افراد بنالیا ہو، چوکیداروں سے لے کر سکریٹریز تک؛ پولس سے لے کر فوج تک اور قانون ساز ایوانوں سے لے کر عدلیہ تک ایک ذہن اور ایک رنگ کے لوگوں کو بٹھادیا ہو، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تحریک پورے ملک کی باگ ڈور اپنے قبضے میں لے کر سیاہ وسفید کی بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھی ہو، جس کا نہ کوئی مدِّ مقابل ہے نہ مضبوط مخالف! اگر حزب مخالف ہے بھی تو اس کی باتیں اور اس کے کام موضوع مذاق بن گئے ہوں، ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ اخبار کے مضامین اور محفلوں کے تبصروں سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا، باتوں کا مقابلہ باتوں سے اور کاموں کا مقابلہ کام سے ہوتا ہے۔

رعایا کو احساسِ زیاں نہیں ہے، پڑھے لکھوں کو احساس واعتراف ضرور ہے مگر بعض کے نزدیک اب اس کا کوئی علاج نہیں اور بعض اس نقصان میں نفع کے اور ان ناکامیوں کے اندر کامیابی کے خواب دیکھ رہے ہیں، ملک معاشی تباہی کے دہانے پر ہے مگر اسے معاشی برتری بتایا جارہا ہے، قوم بھک مری کی شکار ہے مگر اسی کو ملک کا استحکام کہا جارہا ہے، میڈیا جانب دار ہوچکا ہے، سیاسی لیڈر بھی جو جی میں آیا بک رہے ہیں، مذہبی راہ نماؤں کی صورت میں مذہبی منافرت کے ایجنٹ چوطرف پھیل گئے ہیں، مظالم پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں، لیکن حکومت حرفِ غلط کے طور پر بھی مذمت کے دو لفظ بولنے کے لئے تیار نہیں ہے، اقلیتیں بالخصوص مسلم اقلیت بے اطمینانی و بے چینی کی شکار ہے مگر خیر سگالی کے طور پر یا سیاسی و جمہوری نقطۂ نظر ہی سے سہی حکومت کے کسی گوشے سے انہیں امن واطمینان کا تیقن سُننے کو نہیں ملتا، غور کرنا چاہیئے کہ نظمِ مملکت کی یہ واضح تبدیلی اور مملکت کا یہ ماحول کوئی حادثۂ اتفاقی ہے یا منصوبہ بند و پالیسی ساز انقلاب؟

مسلمانوں کے لئے موجودہ حالات جس قدر مایوسی وخوف پیدا کر رہے ہیں اس سے زیادہ حیرت و استعجاب دینی وسیاسی مسلم قائدین کے جمود و تعطل پر ہورہا ہے، کوئی کچھ نہیں کہتا، سب اپنی جگہ مجسمۂ سکوت ہیں، روایتی و رواجی سرگرمیوں اور بیانوں پر اکتفاء ہے، ملک میں تاریخی وتحریکی جماعتیں موجود ہیں جنھوں نے ماضی میں ہر مشکل موقعے پر مسلمانانِ ہند کو سنبھالا ہے متحد اور مضبوط و پُر اُمید رکھا ہے، لائحہ عمل دیا ہے اور فکری ونظری راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، لیکن اس وقت سب خاموش ہیں، ماضی میں تمام اہم جماعتوں نے مشترکہ مشورے کئے، مِل بیٹھ کر مُلکی و ملّی مسائل کا حل نکالا ہے، ملت کو مایوسی سے بچایا اور حکومت سے اُن مسائل کی مضبوط نمائندگی کی ہے، لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ مُسلم جماعتوں کے پاس کوئی منصوبہ ہے نہ اُن کے

قائدین کوئی متفقہ پیغام قوم وملت کے نام دینے کے لئے تیار رہیں۔

راقم سطور کسی مقابلے یا مقاطعے کی بات نہیں کررہا ہے، ملّت میں مایوسی نہ پیدا ہونے اور حالات سے زِچ ہوکر نوجوانوں کے کسی بے راہ روی کے شکار نہ ہوجانے کے لئے ہمارے سیاسی و مذہبی بڑے کم از کم اپنے ہونے کا احساس دلائیں اور اپنا ہمت افزا پیغام اُن تک پہونچائیں ،فکری واعتقادی تصادم کے خطرات سے بچائیں، ایمان ویقین کی مضبوطی اور اللہ ورسول کے احترام کا سبق دیں، کیوں کہ قوم اگر اپنے کو بے سہارا اور قائدین کی سرپرستی سے محروم سمجھ لے گی تو پھر یا تو دین دھرم سے دور ہوجائے گی یا نامناسب اقدامات کے ذریعے اپنے پیروں پر خود کُلہاڑی مارے گی، اس لئے اپنی اپنی جماعتوں کو بچانے سے زیادہ اس وقت قوم کو بچانے کے کاموں کی ضرورت ہے؛عوام کو مانوس اور نزدیک کرنے کی ضرورت ہے، سنجیدہ اور حکیمانہ پالیسیاں وضع کرنے کی ضرورت ہے، عقیدۂ توحید اور اسلامی تہذیب کے تحفظ کے انتظامات کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ جو حشر عالمِ اسلام کا ہوگیا خدانخواستہ اسی کا سامنا کرنے پر اسلامیانِ ہند کو تیار رہنا پڑے گا۔اللہ بچائے۔آمین

گوشۂ سیرت

اپنوں کے مقابلے میں دوسروں کی راحت کا خیال

از: مولانا خواجہ نصیرالدین قاسمی*

حضرت ابوالہیثم مالک بن تیہانؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں بیٹھے ہیں، اُن کے پاس جا کر سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر پوچھا کہ عمر! کیا بات ہے؟ اس وقت یہاں بیٹھے ہو؟ حضرت عمرؓ نے کہا: پہلے آپ بتایئے؟ آپ اس وقت گھر سے باہر کیوں نکلے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں نے پہلے پوچھا، اس لئے پہلے تم بتاؤ، حضرت عمرؓ نے کہا کہ بھوک (کی بے تابی) نے (مجھے گھر سے) نکلنے پر مجبور کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہی بات مجھے بھی گھر سے باہر نکال لائی، اتنے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لائے، جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اس وقت تم دونوں یہاں کیسے؟ دونوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ دوسرا جواب دے، پھر حضرت ابوبکرؓ نے ساری تفصیل سنائی، اس پر آقائے نامدار رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں بھی اسی سبب سے باہر آیا، (اللہ اکبر!) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا بتاؤ! کوئی ایسا بندہ ہے جو ہماری ضیافت کر سکے؟ دونوں نے کہا: ہاں، ابوالہیثم مالک بن تیہانؓ انصاری ہیں نا!، ان کے پاس کھجور کے باغ بھی ہیں اور بکریاں بھی، اگر ہم اُن کے پاس چلے جائیں تو عمدہ کھجوریں مل جائیں گی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں اصحاب کے ساتھ ابوالہیثمؓ کے باغ تشریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا، تو (ابوالہیثم کی اہلیہ) ام ہیثمؓ نے آپ کا سلام سنا (خوشی سے کہا) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، تشریف لایئے، جلدی سے ایک اونی کمبل لا کر بچھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما ہوئے، پوچھا: ابوالہیثم کہاں ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ وہ پینے کا پانی لانے گئے ہیں، اتنے میں دیکھا کہ ابوالہیثمؓ پانی کا مشکیزہ اپنی گردن پر رکھے چلے آرہے ہیں، انہوں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، جلدی سے مشکیزہ نیچے رکھا اور چلے آئے، کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اور تینوں کی حالت دیکھ کر سمجھ گئے (بھوک سے نڈھال ہیں)، فوراً اہلیہ سے پوچھا، کچھ پیش کیا، یا نہیں؟ انہوں نے کہا ابھی تو تشریف

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

لائے ہیں، پوچھا گھر پر کچھ کھانے کو ہے؟ کہا کہ: کچھ جَو ہیں، کہا کہ اُسے پیس کر، روٹی تیار کردو، (اور وہ خود بکری ذبح کرنے کی تیاری میں لگ گئے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو چھری لے کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''دودھ والی بکری'' کو ذبح نہ کرنا، انہوں نے کہا عمدہ بکری پیش کرنا چاہتا ہوں، چناں چہ ذبح کر کے کچھ ہی دیر میں پیش کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے دونوں ساتھیوں نے اچھی طرح تناول کیا، اس طرح سیر ہو کر کھانے کی نوبت اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آئی، کچھ ہی دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمن کے کچھ قیدی آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ حاضر خدمت ہوئیں، کام کی مشقت کا اظہار کیا، اپنے ہاتھ بتائے، اور خادم کی فرمائش کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں ابوالہیثمؓ کو دوں گا، میں نے ان کی اور اُن کی اہلیہ کے حالات اس دن دیکھے جس دن انہوں نے ہماری ضیافت کی تھی، چناں چہ ابوالہیثم کو بُلا بھیجا اور فرمایا کہ یہ غلام رکھ لو، باغبانی میں تمہاری مدد کرے گا، البتہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، چناں چہ وہ لے گئے اور جب تک اللہ نے چاہا اُسے اپنے پاس رکھا، بعد میں اس سے کہا کہ میں اور میری اہلیہ اپنے باغ کی دیکھ بھال کر لیں گے، جاؤ، تم آزاد ہو، تمہارا کوئی آقا نہیں، سوائے رب تعالیٰ کے۔ چناں چہ وہ غلام ملکِ شام چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔

(دلائل النبوۃ: ۱/ ۲۸۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ مالک بن تیہانؓ غلام لے کر گھر آئے اور سارا ماجرا اہلیہ سے کہہ سنایا، کہ اُن کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا بات چیت ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس غلام کے ساتھ خیر خواہی کی نصیحت فرمائی، وہ بھی ذکر کیا تو اُمّ تیہان نے کہا: کہ آپ نے سنا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''خیر خواہی'' کرنے کا حکم فرمایا ہے، خیر خواہی اس غلام کے ساتھ کیا ہو سکتی ہے؟ ابو تیہانؓ نے سوچ کر کہا کہ ''ہم اُسے آزاد کردیں'' اہلیہ نے حامی بھری، اور پھر انہوں نے اس غلام کو آزاد کردیا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالہیثمؓ کی پیش کردہ اللہ کی ان نعمتوں کو تناول فرمانے کے بعد بتایا کہ ''یہی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے''۔ یعنی لتسئلن یومئذ عن النعیم

فوائد: اس واقعۂ سیرت میں چند نصیحت آموز پہلو ہیں مثلاً:

تنگی کا حال خاص احباب سے ہی ذکر کرنا، سلام میں پہل کرنا، بے تکلف دوست کے گھر مہمان بننا، جب کہ وہ مہمانوں کی آمد پر گرانی محسوس نہ کرتا ہو، مہمان کا اکرام کرنا، میزبان کا مہمان کی راحت کا خیال رکھنا، مرد آدمی گھریلو ضروریات کا خیال رکھے، بیوی کا شوہر کے مہمانوں کی ضیافت میں تنگ دل نہ ہونا، بیوی کا شوہر کو نیک کاموں پر توجہ دلانا، اور شوہر کا اُسے خوش دلی سے قبول کرنا۔ ماتحتوں کا خیال رکھنا، ان سے حسنِ سلوک سے پیش آنا، حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ وغیرہ

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام: آپ کا نام بریرہ تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی ہیں، بریرہ پہلے بنو ہلال کی باندی تھیں، انہوں نے زرِفدیہ پر آزادی قبول کی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خرید کر آزاد کردیا۔

قبول اسلام: حضرت بریرہؓ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں، ان کے قبول اسلام اور حصول شرفِ صحابیت پر تمام اہل سیر کا اتفاق ہے، قبول اسلام سے قبل وہ جس شخص کی باندی تھیں، اس سے انہوں نے یہ طئے کیا تھا کہ وہ نو (یا پانچ) اوقیہ سونا سالانہ قسطوں میں ادا کرنے کے بعد آزاد ہوجائیں گی؛ لیکن پھر انہیں اتنا طویل عرصہ غلامی میں گذارنا گوارا نہ ہوا، ایک دن ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میری مدد کیجئے اور اپنی کنیز بنا لیجئے، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ان کی زرِمکاتبت ایک ساتھ ادا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن ان کے آقا سے پوچھنے جانے پر وہ آزاد کرنے پر تو راضی ہوا لیکن اپنا حق وراثت وہ ترک کرنا نہیں چاہتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: وراثت کا حق اسی شخص کو ہوتا ہے جو کسی غلام یا باندی کو خرید کر آزاد کرے۔

بلکہ ایک روایت کے اندر یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت تمام لوگوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد وثناء کی، اس کے بعد فرمایا: بعض لوگ ایسی شرطیں کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، یاد رکھو جو شرط اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے، اللہ کا فیصلہ نہایت سچا ہے اور اس کی شرط نہایت پختہ ہے اور حقیقت یہ ہیکہ ''ولاء'' (غلام کی وراثت) غلام کے آزاد کرنے والے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کردیا، لیکن انہوں نے تادم حیات حضرت عائشہ صدیقہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا، چنانچہ حضرت عائشہؓ کی صحبت اور فیضان نبوی

* رفیق دار التصنیف والارشاد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

سے خوب مستفید ہوئیں اور علم وفضل میں خوب کمال حاصل کیا، اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت بریرہ ؓ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور قطع تعلق

مسند ابوداؤد میں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے اور بڑے صحابیٔ رسول تھے، حضرت بریرہ ؓ کو کسی وجہ سے ان سے نفرت ہوگئی، آزاد ہوئیں تو ان سے تعلقات منقطع کرلینا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس طرح کرنے سے روکنا چاہا تو حضرت بریرہ رضی اللہ عہا نے خدمت نبوی میں عرض کیا: یارسول اللہ یہ آپ کا حکم ہے؟ فرمایا: نہیں! میں سفارش کرتا ہوں، حضرت بریرہ ؓ نے مغیث ؓ کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی علحدگی کو درست قرار دے دیا اور حکم دیا کہ بریرہ ایک مطلقہ عورت کی طرح عدت گذارے، حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو بریرہ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی، اس علیحدگی سے وہ اتنے پریشان ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عباس سے فرمایا: چچا جان: مغیث کی محبت اور بریرہ کی نفرت آپ کو تعجب خیز نہیں معلوم ہوتی؟ ''ألا تعجبون من حب مغیث بریرۃ، ومن بغض بریرۃ مغیثا''؟ (اسد الغابۃ: مغیث مولی أبی احمد: ۵/۲۳۴، سیر أعلام النبلاء: بریرۃ مولاۃ أم المؤمنین عائشۃ: ۳/۲۵۶، دار الحدیث القاہرۃ)

غزوات میں شرکت:

حضرت بریرہ ؓ نے متعدد غزوات میں بھی شرکت کی ہے، جس غزوے میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے شرکت کی، انہوں نے اس میں بلا تأمل شرکت کی سعادت سے بہرور ہوئیں، یہ مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کے لئے کھانا تیار کرتیں، ان کو ہتھیار فراہم کرتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دیتیں۔

حضرت بریرہ ؓ اور صدقے کا مال

حضرت بریرہ ؓ نہایت مفلس تھیں، ان کے لئے صدقہ کا مال حلال تھا، اس لئے بعض لوگ ان کو صدقہ بھی دیا کرتے، صحیح مسلم میں ہے کہ ان کے پاس کچھ صدقہ میں آتا تھا تو وہ ازواجِ مطہرات کو ہدیہ دیا کرتی تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ چولہے پر ہانڈی رکھی ہے اور اسمیں گوشت پک رہا ہے، لیکن کھانے میں آپ کو گوشت کے علاوہ کوئی اور چیز پیش کی گئی تو

آپ کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ وہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ میں ملا ہے، اورانہوں نے ہمیں ہدیہ دیا ہے، ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ صدقے کا گوشت آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے؛ لیکن ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ ''ھو صدقة علی بریرة وھدیة لنا''

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۰۲، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور واقعہ افک

چونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ اور راز دار تھیں، جس وقت واقعہ افک (ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت طرازی) کا واقعہ پیش آیا تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت جن الفاظ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برات اور پاک دامنی کا اظہار کیا تھا، وہ الفاظ سیرت کی کتابوں میں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں:

''ان سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کنایۃً پوچھا گیا تو وہ سمجھیں کہ یہ سوال عام گھریلو امور کے سلسلے میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل کے بارے میں ہے، بولیں اور تو کوئی برائی نہیں البتہ بچپن ہے سو جاتی ہیں اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ ''أنها جارية حديثة السن تنام عن عجين أهلها فتأتي الداجن فتأكله'' (صحیح البخاری: حدیث: ۷۳۶۹)

اور جب ان سے صاف اور واضح الفاظ میں بہتان کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: سبحان اللہ! خدا کی قسم! جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے، اسی طرح میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جانتی ہوں وہ بالکل بے عیب ہیں''۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور احادیث نبوی

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے کئی ایک احادیث مروی ہیں، ان کے تلامذہ کا ایک بڑا حلقہ تھا، ان سے سماع حدیث کرنے والوں میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان بھی شامل ہیں، ایک دفعہ انہوں نے مروان سے یہ کہا تھا کہ میں تمہارے اندر کچھ ایسے آثار دیکھ رہی ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دن تمہیں حکومت عطا کرے گا، لیکن اگر تم حکمران بنو تو قتل وغارت گری اور خونریزی سے ہمیشہ بچے رہنا، اس لئے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا ہوگا تو اس کو دھکے دے کر جنت کے دروازے سے پیچھے ہٹا دیا جائے گا''۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: بریرۃ مولاۃ عائشۃ: ۴/۱۷۹۵، دار الجیل ، بیروت)

نہایت حق گو، بردبار، خیر اندیش، حب رسول، استغناء، زہد وقناعت کے اوصاف سے معمور تھیں، اہلِ بیت سے بے انتہا محبت کرتیں، دیگر متعلقین کا بھی احترام فرماتیں، عبادتِ الٰہی کی بڑی شوقین، بیانِ احادیث کے وقت غایت محبت سے رقت طاری ہوجاتی اور آنکھیں تر ہوجاتیں۔

اسلام کے چند مسائل

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے اسلام کے چند ایک مسائل معلوم ہوئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''سیرت عائشہ'' میں صحیح بخاری کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اسلام کے تین احکام معلوم ہوئے:

۱۔الولاء لمن اعتق، یعنی ولایت (وراثت) کا حق آزاد کردہ شخص کو ہوتا ہے۔

۲۔غلامی کی حالت میں اگر ایک غلام اور ایک باندی کا نکاح ہوجائے اور بیوی آزاد ہوجائے اور شوہر غلامی کی حالت میں رہے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے سابق شوہر کو شوہری میں رکھے یا نہ رکھے۔

۳۔اگر کسی مستحق کو صدقہ کا کوئی مال ملے اور وہ اپنی طرف سے غیر مستحق کو ہدیۃً پیش کرے تو اس غیر مستحق کو اس کا لینا جائز ہوگا۔(الطبقات الکبریٰ لابن سعد:۸/۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صحابہؓ کا احترام

تمام ہی لوگ ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے، خلفاء راشدین بھی ان کی تکریم فرماتے، خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ ان کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کی ضروریات کے بارے میں دریافت کرتے، حضرت عمر فاروقؓ کی تو یہ کیفیت ہوتی کہ انہیں دیکھ کر راستے میں چلتے ہوئے رک جاتے اور اس وقت تک قدم نہیں اٹھاتے جب تک وہ خود نہ چل پڑتی، دریافت کرنے پر فرمایا: تمہیں معلوم کہ یہ کون ہیں: یہ نہایت معزز خاتون ہیں، میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ لائق تعظیم ہیں، جب تک یہ کھڑی رہیں گی یا مجھے اجازت نہیں دیں گی میرے قدم حرکت نہیں کریں گے۔

وفات:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات معلوم نہیں البتہ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بہت عرصہ بقید حیات رہیں۔ اور انتقال یزید بن معاویہ کے عہد سلطنت میں ہوا۔

تذکارِ صحابہؓ

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے اُن جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے، جن کو زبان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنائی گئی، جنھوں نے دینِ اسلام اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کی، کم سنی میں حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے، قبول حق کی پاداش میں مسلسل اذیت وابتلا سے دوچار اور شعب ابی طالب کے محاصرے میں ظلم وستم کا شکار رہے، ہجرت کے موقع پر اپنے کم سن بھائی کے ہم راہ مرکز اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے والوں میں سرفہرست رہے، تمام غزوات میں اپنی بسالت وشجاعت کے جوہر دکھانے والے بہادر اصحابِ رسول میں سب سے نمایاں رہے، وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کو مضبوط ومستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا فرماتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں آپ کی ذات فتح ونصرت کی نوید تھی، آپ سپہ سالاری اور تیغ زنی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہم سر شمار کیے جاتے تھے، سیاست وتدبر میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے پیچھے نہیں تھے۔ الغرض: دعوت وتبلیغ، تدبر وسیاست، جہاد وقیادت، اور گورنری وسفارت جیسے تمام معاملات میں آپ کی ذات والا صفات قابل تقلید اور نمونۂ اتباع ہے۔

سوانحی نقوش:

آپ کا نام: سعد، ابواسحق کنیت، والد کا نام: مالک اور والدہ کا نام: حمنہ تھا، سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہری خاندان ننھیالی رشتہ تھا، اس لیے حضرت سعدؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی بارہا اس رشتہ کا تذکرہ فرماتے تھے۔

حلیہ مبارک: آپ کا قد بلند وبالا، جسم فربہ، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط تھیں۔

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

قبول حق اور استقامت: جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا، اسی سال سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے اسلام قبول کیا اس وقت آپ ؓ کی عمر سترہ برس تھی آپ ؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا، تہہ در تہہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہوں کہ اچانک ایک چمکتا ہوا چاند نمودار ہوا، میں اس کی طرف چل پڑا، دیکھا تو میرے آگے زید بن حارثہ ؓ، علی بن ابی طالب ؓ اور ابوبکر صدیق ؓ ہیں پس میں صبح بیدار ہوا تو تلاش کے بعد پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طور پر دین کی دعوت دے رہے ہیں میں سمجھ گیا کہ میرا رب میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ چوں کہ آپ ؓ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوشگوار مراسم تھے، اس لیے اگلے ہی روز جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنا وہ خواب بیان کیا، جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں بہت کچھ بتایا اور اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ وہ تین افراد جنہیں تم نے خواب میں اندھیرے کے بجائے روشنی میں دیکھا ہے، وہ تینوں (زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب، اور خود ابوبکر صدیق) کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر اب ''ایمان'' کی روشنی میں آچکے ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ کی دعوت پر حضرت سعد ؓ قبول حق کے لیے تیار ہو گئے، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شہر کے مشہور محلہ ''اجیاد'' میں ایک پہاڑی گھاٹی میں تشریف فرما تھے، یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے، حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کلمۂ حق پڑھتے ہوئے دینِ اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ محض ساتواں دن تھا۔ جب سیدنا حضرت سعد ؓ کے قبول اسلام کی خبر ان کی والدہ تک پہنچی تو شدید غضبناک ہو گئیں اور باپ دادا کا دین چھوڑنے پر ملامت کرنے لگیں اور کہا کہ اگر تو نے یہ نیا دین نہ چھوڑا تو میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی حتیٰ کہ اسی بھوک کی حالت میں مر جاؤں گی۔ حضرت سعد ؓ نے کہا کہ امی جان! اگرچہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر آپ میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے نکل جائیں، تب بھی میں دین اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔ جب ماں نے دیکھا کہ بیٹا اپنے فیصلے میں اٹل ہے تو اس نے بھوک ہڑتال کا ارادہ ختم کر دیا۔

ازواج: حضرت سعد ؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، آپ کی ازواج کے نام یہ ہیں:

(۱) بنت الشہاب (۲) بنت قیس بن معدی کرب (۳) ام عامر بنت عمرو (۴) زبد (۵) ام بلال بنت ربیع (۶) ام حکیم بنت قارظ (۷) سلمیٰ بنت حفص (۸) ظبیہ بنت عامر (۹) ام حجر۔

حضرت سعد ؓ کی چونتیس اولادیں تھیں، ان میں سے لڑکے سترہ تھے اور لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں۔ سب

کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

لڑکے: (۱) اسحاق اکبر (۲) عمر (۳) محمد (۴) عامر (۵) اسحاق اصغر (۶) اسماعیل (۷) ابراہیم (۸) موسیٰ (۹) عبداللہ (۱۰) عبداللہ اصغر (۱۱) عبدالرحمن (۱۲) عمیر اکبر (۱۳) عمیر اصغر (۱۴) عمرو (۱۵) عمران (۱۶) صالح (۱۷) عثمان۔

لڑکیاں: (۱) ام الحکیم کبریٰ (۲) حفصہ (۳) ام القسم (۴) کلثوم (۵) ام عمران (۶) ام الحکیم صغریٰ (۷) ام عمرو (۸) ہند (۹) ام الزبیر (۱۰) ام موسیٰ (۱۱) حمنہ (۱۲) ام عمر (۱۳) ام ایوب (۱۴) ام اسحاق (۱۵) رملہ (۱۶) عمرہ (۱۷) عائشہ۔

فضائل ومناقب:

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سنا، انھوں نے کہا کہ جس دن میں اسلام لایا، اسی دن دوسرے (سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے والے حضرات صحابہ) بھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور میں سات دن تک اسی طور پر رہا کہ میں اسلام کا تیسرا فرد تھا۔ (صحیح بخاری)

حضرت قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ عرب میں سب سے پہلے اللہ کے راستے میں، میں نے تیراندازی کی تھی (ابتداء اسلام میں) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح غزوات میں شرکت کرتے تھے کہ ہمارے پاس درخت کے پتوں کے سوا کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہوتا تھا، اس سے ہمیں اونٹ اور بکریوں کی طرح اجابت ہوتی تھی۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ میرے ماموں ہیں، تو مجھے دکھائے کوئی اپنا ماموں"۔ (جامع ترمذی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! سعد جب تجھ سے دعا کریں تو ان کی دعا قبول فرما"۔ (جامع ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماں باپ کو کسی کے لیے جمع نہیں کیا (یعنی یوں نہیں فرمایا کہ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں) مگر سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے دن ان سے فرمایا "تیر مار اے سعد! فدا ہوں تجھ پر میرے ماں باپ۔" (صحیح مسلم)

دوسری روایتوں میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں، بنابریں محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ فخر صرف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے لیے مخصوص تھا۔

(فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاصؓ)

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سے بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! کسی ایسے آدمی کو اس کھانے کی طرف لے آ، جس سے تو محبت کرتا ہو اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہو۔" اتنے میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آ گئے۔ (سنن دارمی)

غزوات میں شرکت:

غزوۂ بدر: معرکہ بدر سے مستقل غزوات کا آغاز ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت وجان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تہِ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آ گئی تھی، اس کو لیے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لیے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔ حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے؛ اس لئے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس غرض غمگین وملول واپس آئے؛ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔ (مسند جلد ۱ ص ۱۸۰ اور مسلم مناقب سعد وقاصؓ)

غزوۂ اُحد: ۳ سنہ ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا اس جنگ میں تیراندازوں کی خطا سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے؛ لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی۔ حضرت سعدؓ تیراندازی میں کمال رکھتے تھے اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے جاتے: ترجمہ: اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں۔

(بخاری کتاب المغازی غزوۂ اُحد)

متفرق غزوات: غزوۂ اُحد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے حضرت سعدؓ بہادری وجانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدائیت وجان نثاری اور استقلال و پامردی کا ثبوت پیش کیا جس کا اظہار غزوۂ احد میں کر چکے تھے۔ غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے پھر ۱۰ سنہ ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہم رکاب تھے؛

لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول! میں مالدار آدمی ہوں؛ لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کار خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا "نہیں!" پھر عرض کیا " دو ثلث نہیں تو نصف سہی" حکم ہوا "نہیں" صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے! تم اپنے وارثوں کو مالدار تونگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھریں تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لیے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔ (مسلم، کتاب الوصیۃ)

ایک مبارک پیشین گوئی:

حضرت سعد ﷺ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول پکڑتی جاتی تھی اس قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی رسول اللہ ﷺ نے اشک بار دیکھ کر پوچھا " روتے کیوں ہو؟'' عرض کیا: معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی جس کو خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی: اللھم اشف سعدًا! اللھم اشف سعدًا (مسلم شریف) ترجمہ: اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر، سعدؓ کو صحت عطا کر۔ رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لیے آب حیات ثابت ہوئے یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحت مند و تندرست ہو گئے، ساتھ ہی آپ علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی کہ اے سعدؓ تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ جائے۔ یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔ مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاصؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔ خلیفہ اول نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیِ حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے۔ اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمرؓ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی روح پھونک دی اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے ہے، آپ عراق میں امرائے افواجِ اسلامیہ میں ایک تھے۔ مہمِ فارس کے سپہ سالار اور مدائنِ کسریٰ کے

فاتح آپ ہی ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک مدّت تک والیِ عراق رہے۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے والی ہوئے۔ شہرِ کوفہ اور نہرِ سعد آپ ہی کے عہدِ ولایت کی یادگاریں ہیں۔

دورِ فتن اور عزلت گزینی:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب سلطنتِ فارس کا دارالحکومت ''مدائن'' فتح کر چکے اور وہاں مسلمانوں کا قبضہ خوب مستحکم ہو چکا، تب خلیفۂ وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ پیغام بھیجا کہ مدائن فتح ہوجانے کے بعد اسے اپنا مستقل مرکز نہ بنایا جائے؛ بلکہ اس مقصد کے لیے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرکے وہاں ایک نیا شہر بسایا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سپہ سالارِ اعلیٰ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے چند معاونین کے ہمراہ مناسب مقام کی تلاش شروع کی، اور اس مقصد کے لیے کافی تگ ودو اور غور وفکر کا سلسلہ چلتا رہا، آخر ان حضرات کو دریائے فرات کے کنارے ایک جگہ کافی پسند آئی، اور پھر انہوں نے (۱۷ھ ہجری میں) وہاں نیا شہر آباد کیا، جسے بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہونے کے علاوہ ایک جدید اور خوب ترقی یافتہ شہر کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، اس نئے شہر کا نام ''کوفہ'' تھا۔

کئی سال آپ کوفہ کے والی رہے اور وہاں سے دومرتبہ معزولی کے بعد مدینہ طیبہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوسکا، البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی؛ مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کرلی، اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہوجائے گا، فیصلہ سننے کے لیے دومۃ الجندل تشریف لائے؛ لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلت کدے میں واپس آگئے اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔ (طبقات ابن سعد)

وفات:

حضرت سعدؓ حیات مستعار کے اخیر مرحلے میں تھے، قوی مضمحل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی بینائی بھی جا چکی تھی؛ یہاں تک کہ ۵۵ ھ میں آپ نے دنیائے دنی کو خیر باد کہا۔ جنازہ مدینہ لایا گیا، مسجد نبوی میں ازواج مطہرات کے حجروں کے سامنے نماز جنازہ ادا کی گئی، مروان بن الحکم نے نماز پڑھائی۔

آپ کے فرزند ارجمند نے آخری لمحات کی روئیداد کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ: میرے ابا جان کا سر میری گود میں تھا، میں یہ منظر دیکھ کر رونے لگا۔ آپ نے فرمایا: کیوں روتے ہو مطمئن رہو! اللہ تعالی مجھے جنت میں ضرور داخل کرے گا؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے میں نے بذات خود اپنے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے، بھلا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان رسالت سے نکلے الفاظ بھی غلط ہو سکتے ہیں؟ پھر آپ نے الماری کی طرف اشارہ کیا، اسے کھولا گیا، اس میں ایک چادر پڑی ہوئی تھی، اسے نکالا گیا۔ آپ نے فرمایا: غزوۂ بدر میں یہ چادر میرے بدن پر تھی، میں نے اسے بہت سنبھال کر رکھا ہے، مجھے اس کا کفن پہنایا جائے، بوسیدہ ہے تو کیا ہوا؟ میری دلی خواہش ہے کہ یہ بابرکت اور تاریخی چادر میرے ساتھ قبر میں جائے۔ اتنا کہا اور پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، مہاجرین بدریین اور عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں آپ ہی کی وفات ہوئی۔ (اسد الغابہ بہ حوالہ حکمراں صحابہؓ)

(بقیہ صفحہ ۳۷ سے)

اس میں اللہ اللہ کی صدائیں لگانا، بیٹھیں تو لیٹنے کی بے چینی لیٹے تو اٹھنے کی بے چینی، ارحم الراحمین کی ذات سے امید ہے کہ یہ کرب وکلفت محو سیئات کا اور علو درجات کا سبب بنیں گی، بحر غم سے پار ہونے کے لیے موت کو ساحل بنایا جائے گا، زندگی فردوس گم گشتہ کو پا سکتی نہیں، موت ہی آئی ہے منزل دکھانے کے لیے، بالآخر وہ وقت آیا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے درجوار رحمت الٰہی پہنچ گئی، راستہ کا تھکا مسافر جسے نہ اپنے آبلہ پا کی فکر، نہ تعب وتھکن کی پرواہ، نہ عمدہ کھانوں کی چاہت، نہ قیمتی لباس کی آرزو، نہ لوگوں کی داد ودہش اور تعریفوں کی تمنا آخری نیند سو گیا، اپنے پیچھے ایک گہرا صدمہ چھوڑ گیا جس کا اثر مدتوں رہیگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام دینی محنتوں کو شرف قبولیت سے نوازے، تقصیرات سے درگزر فرمائے سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولی

اصلاحی مضامین

سوانحِ اسلاف، نوجوانانِ ملت کے لئے مشعل راہ ہے

از: محمد ندیم الدین قاسمی*

مفکرین ومحققین نے امت کی زبوں حالی، تنزل وانحطاط، اسلام سے دوری، اعمالِ صالحہ کے انجام دہی میں کسل مندی اور غفلت شعاری کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں؛ من جملہ ان کے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ امت نے اپنا درخشاں وتاباں ماضی، اکابرین واسلاف کی پاکیزہ زندگی، ان کے علمی وعملی کارناموں کو فراموش کردیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب جذبوں میں حرارت ایمانی ہے نہ حوصلوں میں پختگی، نہ روح میں تازگی، نہ افکار میں بلندی؛ بلکہ پست ہمتی، پژمردگی، مغربی تہذیب وکلچر انہیں ذریعۂ نجات، نظامِ اسلام انہیں فرسودہ اور روشن اسلامی تاریخ قصۂ پارینہ" ان ھی الا اساطیر الاولین " نظر آتی ہے۔

سوانحِ اسلاف کا مطالعہ کیوں ضروری؟

تجربہ شاہد ہے کہ بزرگان دین کی سوانح اور ان کی حکایات میں ایک خاص نور ہوتا ہے جو سننے والے پر کچھ درجہ وہی اثر رکھتا ہے جو صحبت سے حاصل ہوتا ہے، ایک مقولہ مشہور بھی ہے" عندذکر الصالحین تنزل الرحمۃ (تذکرۂ صالحین حصولِ رحمت کا ذریعہ ہے)؛ اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اَلحکَایَاتُ عَنِ الْعُلَمَاءِ وَمحاسِنُھُمْ أَحَبُّ إِلَيَّ لِأَنَّھَا آدابُ الْقَوْم'''' علما کی حکایات اور ان کے محاسن کا تذکرہ میرے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہے؛ کیوں کہ وہ قوم کے آداب ہیں۔'' اور یہ حقیقت بھی ہے کہ خدامستوں، خاصانِ خدا کی سوانح، اوران کے افکار وخیالات، میں سکونِ دل کا خاصا بیش قیمت سرمایہ پنہاں ہوتا ہے، جن کی زندگی کے مطالعہ سے روح کو تازگی، فکر کو پاکیزگی، اور خیالات کو بلندی حاصل ہوتی ہے، جن کی زندگی کے مختلف روشن پہلوؤں سے پس آئندگان کو روشنی ملتی ہے، اس سے احسان شناسی کا جہاں فرض ادا ہوتا ہے تو وہیں نفع رسانی کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے، معاصی سے رکنے کی ہمت آتی ہے، نیز اسلاف کی زندگیوں کے مطالعہ سے زندگی میں تقویٰ وطہارت، عبادت وریاضت، حق گوئی، جرأت، خودداری، خودی وخوداعتمادی،

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بادشاہوں، حکمرانوں، اور ارباب اقتدار وسلطنت کے سامنے حق گوئی، احقاقِ حق اور ابطال باطل جیسے صفات پیدا ہوتی ہیں، نیز ان حضرات کے تذکروں سے گم کردہ راہ مسافر کو نشانِ منزل کا پتہ ملتا ہے۔

تو اسی لئے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آج امت، بالخصوص نوجوانانِ ملت اسلامیہ کو اپنے اسلاف کی رفعتوں و بلندیوں اور ان کے علمی وفکری کمالات وعجائبات، نیز ان کی پاکیزہ و روح پرور زندگیوں سے متعارف کیا جائے؛ تاکہ امت نئی تہذیب کے دلدل و مادہ پرستانہ طرز زندگی سے اپنے آپ کو نکال کر، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل سکے۔ اس کے نتیجہ میں امت دارین کی فوز وفلاح اور اصلاح وبہتری سے بہرہ یاب ہوجائے۔

احب الصالحین و لست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

میں نیک اور صالح لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ میں خود نیک وصالح نہیں ہوں، بعید نہیں کہ اس محبت کی بناء پر اللہ تعالیٰ مجھے بھی صلاح وتقوی سے نواز دے۔

اور ایک دوسرے شاعر نے کہا:

تشبهوا ان لم تکونوا مثلهم
فان التشبه بالکرام فلاح

اہل اللہ اور صلحاء کی مشابہت اختیار کرو؛ اگرچہ تم ان کے مشابہ نہیں ہو، بیشک اہل اللہ اور نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے میں بھی کامیابی وکامرانی اور فلاح وسعادت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۲ سے)

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد میں اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی ان عظیم مخلصانہ اور بے لوث خدمات کو قبول فرمائے، اور ہمیں حضرت مفتی صاحبؒ کی ان خدمات کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

منظوم کلام

بروفات حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمغنی صاحب نوراللہ مرقدہ

ناظم و بانی مدرسہ سبیل الفلاح بنڈلہ گوڑہ وصدر سٹی جمعیتِ علماء حیدرآباد

نگارش قلم: سید بشیر احمد فیضؔ نیری سعیدی، نندیال

حسبِ فرمائش: حافظ سید محمد اسحاق مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد عبدالمغنی صاحبؒ

ہر دل کو داغ دے گئی رحلت جناب کی		سوہانِ روح کیوں نہ ہو فرقت جناب کی
زندہ ہر ایک دل میں ہے اُلفت جناب کی		غم سے نڈھال کر گئی چاہت جناب کی
وہ گفتگو میں طاق تھے کردار تھا بلند		اچھا بنا گئی ہے نصیحت جناب کی
حسنِ سلوک یاد ہے ہم کو جناب کا		ہر ایک پر تھی چشمِ عنایت جناب کی
سب کو وہ لے کے چلتے تھے اپنے ہوں یا ہوں غیر		دنیا میں کام آئی فراست جناب کی
اُن کی جدائی خلق کو مغموم کر گئی		ہم کو رُلا رُلا گئی فرقت جناب کی
عبد القوی کے ساتھ سبھی غمزدہ ہیں آج		خُلفاء کے دل دُکھا گئی رحلت جناب کی
دنیائے ہست وبود سے مُغنی چلے گئے		اور اک خلاء بنا گئی رحلت جناب کی
تعلیم تزکیہ و نصیحتُ مناظرہ		چاروں صفات اعلی ہیں جناب کی
ابرار ، اختر اور سعید آپ کے شیوخ		سب سے ارادت اور خلافت جناب کی
دنیا اُلجھ رہی ہے مسائل کے پیچ میں		یاد آرہی ہے آج ضرورت جناب کی
اُمّی لقب رؤف سرکار ہیں رحیم		کردیں کرم سے اپنے شفاعت جناب کی

نقش قدم پہ مُغنیؒ کے چلنا ہے ہم کو فیضؔ
یہ بھی ہے ایک حسنِ ارادت جناب کی

تعزیتی مکتوب

از: مجلس تحفظ ختم نبوت نظام آباد

مرسل: مولانا انصار اللہ قاسمی صاحب زید فضلہٗ

MAJLISE TAHAFFUZE
KHATME NUBUWWAT
TRUST, T.S. & A.P



مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ
تلنگانہ و آندھرا پردیش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ملتِ اسلامیہ تحریک ختم نبوت کے بلند پایہ مخلص رہنما سے محروم

مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری کے انتقال پر مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ کا تعزیتی بیان

پریس نوٹ: مولانا انصار اللہ قاسمی آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت کے بموجب مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا پردیش کے ارکان وعہدیداران مولانا شاہ جمال الرحمن مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا مفتی غیاث الدین رحمانی قاسمی، مولانا حافظ خواجہ نذیر الدین سبیلی مولانا مصلح الدین قاسمی، مولانا محمد امجد علی قاسمی اور مولانا محمد ارشد علی قاسمی نے ممتاز عالم دین اور تحریک ختم نبوت کے سرگرم وسرکردہ رہنما مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری (ناظم مدرسہ سبیل الفلاح) کے سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور کہا: مولانا مظاہری مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا پردیش کے نائب صدر تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام سے پہلے اور قیام کے بعد تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہری نے بہت ہی اہم اور مخلصانہ خدمات انجام دی، انھوں نے نائب صدر کی حیثیت سے مجلس تحفظ ختم نبوت کو مضبوط بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، چاہے وہ عوامی جلسوں اور تربیتی پروگراموں میں شرکت ہو، ہنگامی مواقع پر فوری وقت دینا ہو، یا دیگر سرگرمیوں میں شریک ہونا ہو، ہر موقع پر انھوں نے ذمہ دارانہ رول نبھایا، چنانچہ آپؒ کے ہاتھ پر کئی ایک قادیانی مشرف باسلام ہوئے، کاسرلہ پاڑ ضلع سریا پیٹ اور پالاکرتی ضلع جنگاؤں میں فتنہ قادیانیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں آپؒ کی خاص نمایاں خدمات رہی، تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر اپنی ان بے لوث اور مخلصانہ خدمات کی وجہ سے آپ کی حیثیت تحریک ختم نبوت کے سرگرم وسرکردہ رہنما کی تھی، تحفظ ختم نبوت کے میدان میں آپؒ کی یہ خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، بیان کے آخر میں علماء کرام نے کہا: ہم مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ کے پسماندگان ومولانا مرحوم کے برادر محترم مولانا محمد عبد القوی خازن مجلس تحفظ ختم نبوت کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بلند پایہ دینی وملی اور تعلیمی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور اُن کے درجات کو بلند فرمائے۔

تاریخ: ۸/محرم الحرام ۱۴۴۳
مطابق 18/اگست 2021



محمد انصار اللہ قاسمی
آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ

#22-1-482, Beside, Masjid-e-Almas, Kali Qabar, Chaderghat, Hyderabad-24, Telangana, INDIA
Phone : 040-24562051, Mobile : 9949144557, E-mail : mtknap@gmail.com
Website : khatme-nubuwwat-hyderabad.com

نقوشِ رفتگاں

تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد میں

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ کا مخلصانہ اور قائدانہ کردار

از: مولانا محمد ارشد علی قاسمی*

آقاء دوجہاں، نبی آخر الزماں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صحابہ کرامؓ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی، شدتِ غم کی وجہ سے وہ اپنے آپ میں نہیں رہے، حضرت عمر فاروقؓ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اگر کوئی یہ کہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کر گئے تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا، اس دوران خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکرؓ اپنی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا دیدار کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیتے ہیں، پھر یوں کہتے ہیں: ''بابی انت و امی طبت حیاً و میتاً'' اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کی زندگی بھی قابل رشک ہے اور موت بھی۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 3667)

یہ بات حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے موقع پر فرمائی، لیکن آپؓ کی یہ بات اُن نفوسِ قدسیہ، اللہ تعالیٰ کے نیک اور محبوب بندوں اور انبیاء کے وارث علماء دین پر بھی صادق آتی ہے، جنہوں نے دین حق کی حفاظت واشاعت کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور پھر اُن کے انتقال کے بعد ایک جم غفیر نے اُن کے جنازہ میں شریک ہو کر اُن کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین اور خراج عقیدت پیش کیا، اس کی وجہ سے ان کی موت بھی قابل رشک ہو گئی۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ [وفات ۸ /محرم ۱۴۴۳ھ، مطابق ۱۸ / اگست ۲۰۲۱] بھی اللہ تعالیٰ کے ان ہی نیک اور مخلص بندوں اور انبیاء کے وارثین میں سے تھے، جن کی زندگی اور موت دونوں پاکیزہ تھی، زندگی تو اس لئے کہ وہ ہمہ جہت اور ہشت پہلو دینی وملی خدمات وجد جہد سے عبارت تھی اور موت اِس لئے کہ آپؒ ایک طویل عرصہ سے بیمار رہے، اِس میں آپؒ نے بہت تکلیف اٹھائی، اللہ کے نیک بندوں کے لئے اِس طرح کی آزمائش ''کفارۂ سیئات ورفع درجات کا سبب ہوتی ہے''، گناہوں سے پاک صاف ہو کر آپؒ

* سکریٹری مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا

اپنے مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے، پھر آپؒ کے جنازہ میں ایک جم غفیر کی شرکت سے آپؒ کی مغفرت وبخشش کی امید اور بڑھ گئی جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا، جس مسلمان کے جنازہ میں ۴۰/ مرد شریک ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس مرحوم مسلمان کے حق میں اُن کی شفاعت (بصورت دعاءِ مغفرت) قبول فرماتے ہیں (مشکوٰۃ، ج ۱/ص: ۵۲۳) الحمدللہ حضرت مفتی صاحبؒ کی نماز جنازہ میں اہل حق علماء وحفاظ اور عوام کی کثیر تعداد نے شرکت کی، اس لئے یہ کہنا درست ہوگا ''طبت حیاًّ و میتاً''۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمغنی مظاہریؒ ریاستی وملکی سطح کی تنظیموں میں مختلف نوع کی ذمہ داریوں سے وابستہ تھے، وہ سٹی جمیعۃ العلماء گریٹر حیدرآباد کے صدر عالی قدر تھے، آپؒ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت اور مختلف خارجِ اسلام باطل فرقوں کے سدباب کے لئے سرگرم معتبر اور باوقار تنظیم ''مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھراپردیش'' کے بانی ارکان میں سے تھے، وہ مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ کے قیام کے پہلے دن ہی سے ''نائب صدر'' تھے، آپؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تمام تنظیمی سرگرمیوں، مکاتب کے قیام، مساجد کی تعمیر، عوامی اجتماعات، تربیتی کیمپس، رفاہی وفلاحی خدمات میں بھرپور اور سرگرم حصہ لیتے، اس کے علاوہ اہم اور ہنگامی مواقع پر بحیثیت نائب صدر اپنی ذمہ دارانہ شرکت سے مجلس تحفظ ختم نبوت کے خدام وکارکنان کا حوصلہ بڑھاتے، اس طرح آپؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی خدمات کو فروغ دینے میں اپنا ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہوئے ''نائب صدر'' کے عہدہ کو وقار اور اعتبار بخشا، تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ راقم سطور کی ۲۱/ سال رفاقت رہی، اس دوران تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت کچھ دیکھنے اور سیکھنے کو ملا، اس میں سے کچھ باتیں اور یادیں قارئین کی نذر ہے:

1) مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ کی شاخوں کا قیام:

کسی بھی تنظیم یا ادارہ کی سرگرمیوں کو فروغ دینے اور اُن کو مضبوط بنانے میں تنظیم کی ذیلی شاخوں کا قیام اہم ہوتا ہے، کیوں کہ تنظیم کے ذمہ داران ہر جگہ براہ راست نہیں پہونچ سکتے، دوسرے علاقوں میں تنظیم کے دائرہ کار کو بڑھانے میں مقامی ذمہ دار افراد سے رابطہ اور تال میل ضروری ہوتا ہے۔

ریاستی مجلس تحفظ ختم نبوت کی خدمات کو فروغ دینے کے لئے محلہ واری سطح پر ذیلی شاخوں کے قیام کو ضروری سمجھا گیا، الحمدللہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ نے بحیثیت نائب صدر کا بہت ہی اہم اور بنیادی کردار رہا، دینی مدارس کے جلسوں یا اپنے دعوتی وتبلیغی اسفار کی وجہ سے جہاں کہیں آپ کا جانا ہوتا، آپ وہاں کے ذمہ دار علماء کو مقامی سطح پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام اور اُس کو ریاستی مجلس تحفظ ختم نبوت سے

مربوط کرنے کی طرف توجہ دلاتے، شہر حیدرآباد میں آپ کی توجہ وکوششوں سے کئی ایک علاقوں میں ریاستی مجلس تحفظ ختم نبوت کی ذیلی شاخیں قائم ہوئیں، مثلاً ٹولی چوکی، ایرّہ گڈّہ، قطب اللہ پور وغیرہ، ان شاخوں کے قیام کے موقع پر منعقدہ اجلاسوں میں آپؒ کی صدارت رہی اور آپؒ کے زیر نگرانی شاخوں کے ارکان وعہدیداران کا انتخاب ہوا۔

مورخہ ۵ / مارچ ۲۰۲۱ء کو بعد عشاء مسجد عمر جیڈی مٹلہ میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت حلقہ قطب اللہ پور'' کی تشکیل ہوئی، اِس موقع پر حضرت مولانا مفتی عبدالمغنی مظاہریؒ ہی کی صدارت ونگرانی میں عہدیداران وارکان کا انتخاب عمل میں آیا، اگر چہ ان دنوں آپؒ کی طبیعت ناساز ہی چل رہی تھی، لیکن اُس کے باوجود تحفظ ختم نبوت جیسے عظیم مقصد ومشن کے پیش نظر مفتی صاحبؒ کی آخری شرکت تھی، مولانا انصار اللہ قاسمی آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت نے انتقال سے پہلے ماہ رمضان میں حضرت مفتیؒ کی عیادت کی، بڑی مشکل سے حضرت مفتی صاحبؒ گفتگو فرما رہے تھے، اس موقع پر بھی فرمایا: میرا ارادہ تھا کہ ٹولی چوکی، ایرہ گڈہ وغیرہ میں شاخوں کے قیام کے بعد بنڈلہ گوڑہ اور بابانگر کے لئے بھی مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ کی ذیلی شاخ بنادوں، مگر طبیعت خراب ہوگئی اور اس کا موقع ہی نہیں ہوا، گویا آخری وقت تک بھی حضرت مفتی صاحبؒ مجلس تحفظ ختم نبوت کی ترقی واستحکام کے لئے فکرمند تھے۔

2) دیہات کے مسلمانوں کی آخری حد تک دلداری:

جو حضرات دیہاتوں میں دینی خدمات وسرگرمیوں کو انجام دینے کا تجربہ رکھتے ہیں، وہ دیہات کے مسلمانوں کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں، ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا رویہ نہایت روکھا سوکھا ہوتا ہے، سختی اور ترش روئی ان میں زیادہ ہوتی ہے، جب تک مالی امداد یا مادی منفعت کی بات نہ ہو تو کسی بات کو ماننے یا کام میں ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ کے نائب صدر ہونے کے ناطے حضرت مفتی صاحبؒ کا دیہاتوں میں بہت زیادہ آنا جانا رہا اور وہاں کے مسلمانوں سے گہرا رابطہ بھی رہا، اس لئے آپؒ نے دیہات کے مسلمانوں کی خشک مزاجی اور ترش روئی کو بہت زیادہ برداشت بھی کیا، لیکن ان کی خبر گیری اور دل داری کے تعلق سے کبھی اپنا دل چھوٹا اور کھٹّا نہیں کیا، چنانچہ ایک مرتبہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ کاسرلہ پاڑ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک پروگرام میں شریک تھا، یہ دیہات ضلع نلگنڈہ میں فتنۂ قادیانیت سے متاثرہ قدیم علاقوں میں سے ہے، مختلف موقعوں پر اس دیہات کے کئی ایک افراد اور گھرانوں نے حضرت مفتیؒ کے ہاتھ پر قادیانیت سے توبہ کی

اور مشرف بہ اسلام ہوئے، اس پروگرام میں حضرت مفتی صاحبؒ مقامی مسلمانوں کے کسی مطالبہ کو فوری طور پر پورا نہیں کر سکے، تو ان بھائیوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے عالم اور بزرگ ہونے کا لحاظ کیئے بغیر اپنے خاص دیہاتی انداز میں حضرت مفتی صاحبؒ کو بہت کچھ کہا، انتہائی سخت اور ناگوار باتیں کی، لیکن آپؒ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں کچھ نہیں کہا، ان کی سخت کلامی بلکہ بدزبانی پر بالکل خاموش رہے۔

اس واقعہ کے بعد رمضان کا مہینہ آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس دیہات والوں کے لئے افطار اور عید فورڈ پیاک کی رقم بھیجنے کو کہا، دیہات کے لوگوں کے ناخوش گوار رویہ کی وجہ سے مجھے کچھ تامل ہورہا تھا، لیکن اس کے باوجود آپؒ نے کہا: ''نہیں! رقم بھیجنا ہے اور ضرور بھیجنا ہے'' اس پر مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ پر اُس واقعہ کا کچھ اثر ہی نہیں ہوا اور حضرت مفتی صاحبؒ کے اس سلوک و برتاؤ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیہات کے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے صرف وعظ و نصیحت، تقریر و بیان کے علاوہ کبھی ہمیں اُن کی سخت مزاجی اور ترش روئی کو گوارہ کرنا چاہئے، ہماری دل آزاری کی گئی ہو تب بھی ہمیں ان کی دل داری اور خبر گیری کے لئے تعاون و امداد کی شکلیں جاری رکھنی چاہئے، یہی ہمارے لئے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔

3) تنظیم کے مقصد و مشن سے بے لوث وابستگی:

اجتماعی کاموں میں شرکت اور تنظیمی ذمہ داریوں کا تجربہ رکھنے والے احباب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ اپنے موقف، منشاء اور رائے کے خلاف کوئی بات طے کی جاتی ہے یا تجویز منظور کر لی جاتی ہے، تو کچھ گرانی ہوتی ہے، جو لوگ اجتماعی مقصد و مشن کے تئیں مخلص اور بے لوث ہوتے ہیں، وہ اس گرانی کو ہمیشہ دل میں نہیں رکھتے، وقتی طور پر کچھ ناگواری کا اظہار ہوتا ہے، لیکن وہ اس ''بارِ خاطر'' کو ''غبارِ خاطر'' نہیں بناتے، کچھ وقت کے لئے دل پر بوجھ تو رہتا ہے، پَر دل کا داغ اور دھبہ اُس کو نہیں بناتے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی میٹنگوں میں حضرت مفتی صاحبؒ پابندی سے شریک ہوتے اور اپنی مفید آراء و مشوروں سے نوازتے، کبھی کبھی آراء میں اختلاف بھی ہو جاتا؛ مگر حضرت مفتی صاحبؒ چوں کہ تحفظ ختم نبوت جیسے عظیم مقصد و مشن کے تئیں مخلص اور بے لوث تھے، اس لئے آراء کا اختلاف تنظیمی کاموں میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شرکت و شمولیت پر اثر انداز نہیں ہوا، جب کبھی اور جہاں کہیں مجلس تحفظ ختم نبوت کے عوامی جلسے و اجتماعات اور دیگر سرگرمیاں طے پائیں حضرت مفتی صاحبؒ پوری فراخ دلی و فراغ چشمی کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ تو اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے آپؒ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی بل کہ یاد آتی رہیں گی۔ ۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

یادِ رفتگاں

وہ ایک شجر سایہ دار تھا

آہ (میرے بڑے ماموں) حضرت مفتی عبدالمغنی صاحبؒ درجوارِ رحمت الٰہی

ازقلم: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

فاطر السموات والارض نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر شئی کی موت وحیات مقرر کردی ہے، ہر شئی اپنی حیات متعینہ اور اجل مسمی کی پابند ہے، تقدیم وتاخیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زندگی اور موت کے عنوان سے عقلائے زمانہ کی چاہتوں اور آرا کے مقابلہ میں انسب، اخیر میعاد وہی ہوتی ہے جو کل فی کتاب مبین ہے، نہ پیدائش کا وقت کسی کی آرزو کا پابند ہے، نہ وقت واپسیں کسی کی تمناؤں پر موقوف ہے، زندگی ہے اپنے قبضہ میں نہ اپنے بس میں موت، آدمی مجبور ہے اور کس قدر مجبور ہے، موت وحیات کا معاملہ کسی کی دسترس میں ہوتا، تو نہ کوئی دلہن اپنا سہاگ لٹاتی نہ کوئی ماں اپنے لخت جگر کو یوں فراموش کرتی، نہ کوئی بوڑھا باپ اپنے سہارے کو یوں اجاڑتا نہ اولاد اپنے والدین سے یوں محروم ہوتی، غرض یہ کہ یہ سب کارہائے نظام کائنات مشیت خداوندی سے چلتے ہیں اور اس پر تمام احکامات باذن اللہ نافذ العمل ہوتے ہیں، اس کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا عبدیت کاملہ اس کے ہر فیصلہ پر راضی برضا رہنا کمال بندگی ہے۔

کہانی تو اتنی ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

لیکن کچھ لوگ دنیا میں اپنے اخلاق وکردار، علم وعمل، ورع وتقوی، ہمدردی وغم خواری سے ایسی ساکھ قائم کرتے ہیں کہ ان کی موت تنہا ان کی موت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ان کی موت سے پورا انجمن لرزتا ہے، تحریکوں تنظیموں کی بنیادیں ہلتی ہیں، وابستگان کی امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں، ان کے جانے سے دل ودماغ پر اثر، اعصاب پر چوٹ، شجر سایہ دار کا کٹ جانا، ایک آباد محل کا ویران ہوجانا محسوس ہوتا ہے۔

وماکان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

* ذمہ دار مدرسہ حسیب المدارس، حیدرآباد

یہی کیفیت "میرے بڑے مامو" حضرت مفتی عبد المغنی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کی رحلت پر خصوصاً پورے خاندان کی عموماً ان سے ملحق مدارس، ان سے وابستہ تحریکوں، تنظیموں کی، ان سے متعلق علماء وزعماء کی، ان سے منسلک تلامذہ ومتوسلین کی ہے، کیونکہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ تحریکوں، تنظیموں کیلئے بڑے محرک ومتحرک تھے، ملحقہ مدارس کے لیے ذمہ دار فکرمند ناظم وسرپرست تھے، خدمت خلق کے لیے بڑے فعال، حفاظت دین، دفاع صحابہؓ تحفظ ختم نبوت کے لیے غیرت مند مردمجاھد تھے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم

تعلیم وتربیت:۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، عملی، روحانی خمیر بابصیرت صاحب علم وعمل، صاحب ورع وتقویٰ، صاحب نسبت بزرگوں کے خوشہ چیں والدین کے علاوہ نابغہ روزگار، متبحر علماء واساتذہ کے ہاتھوں تیار ہوئی تھی جو تربیت وتہذیب نفس میں نباض اور یدطولیٰ رکھتے تھے، خصوصاً حضرت شاہ ہردوئی رحمہ اللہ کی تربیت ونظر کرم نے تو آپؒ کو ایک تراشیدہ گوہر بنادیا تھا، حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ تربیت کے حوالہ سے ایک ماہر نفسیات، کامل مربی، اکمل روحانی معالج معروف ومشہور اصول پسند بزرگ گزرے ہیں، جن کی ڈانٹ میں برق ورعد کا خوف، جن کی مسکراہٹ میں بادوباراں کا خوشگوار سماں ہوا کرتا تھا، ہماری بچپن کی نگاہوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ان کی خفگی میں بے کیفی، خزاں کا سا ماحول بن جاتا، اُن کی خوشی، مزاح ومذاق میں ایسا لگتا گویا رعب کا ایک بوجھ تھا جو ہلکا ہوگیا، ایک کڑاکے کی بارش تھی جو برس کر تھم گئی، اب ربیع وبہار کا موسم آگیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے باریک بیں معلم ومعالج کی تربیت نے حضرت مفتی صاحبؒ کو کس قدر نکھارا ہوگا، پھر علوم عالیہ کے لیے باندہ، مظاہر العلوم سہارنپور کے بافیض، جیدالاستعداد، اصحاب نسبت، جبال العلم والعمل، مسند حدیث کے مایہ ناز اساتذہ ومحدثین سے استفادہ کا موقعہ ملا، اور اپنی علمی استعداد کو خوب سے خوب تر سنوارا، یہی وجہ ہے کہ اپنے اساتذہ کے معتمد علیہ رہے، جہاں حضرت مفتی صاحب علمی صلاحیتوں میں پختہ تھے وہیں مسلک ومشرب میں متصلب، اپنے اکابرین کے نقش قدم پر گامزن تھے۔

میدان کار:۔ غالباً 1980 میں افتاء سے سند فراغت حاصل کی، پھر اپنے پیرومرشد حضرت ہردوئیؒ کی ایماء پر مدرسہ فیض العلوم میں اپنے کام کا آغاز کیا، اور دعوت الحق سے منسلک ہوئے، پھر اپنے شیخ کی ہدایت پر جہاں تبادلہ ہوتا رہا وہاں برسرخدمت رہے، اپنے گھر کے ذمہ دار فرد ہونے کے باوجود پس وپیش نہیں کیا، ایک وفادار غلام کی طرح سر تسلیم خم کیا۔

مٹا کر اپنی ہستی کو سراپا جستجو ہوجا
تو چاہے گا ہوگا جو وہ چاہتا ہے تو ہوجا

شنید کہ جہاں بھی خدمت کے لیے بھیجا گیا پوری جستجو لگن کے ساتھ ہمہ تن مصروف خدمت رہے، اور اپنے شیخ کے مزاج و مذاق کو ان کے نظریہ کو عام کرنے کی جہد مسلسل کی، اور ایک صالح انقلاب لانے میں کامیاب رہے، واضح رہے کہ حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے تین کام بڑے نمایاں رہے، گویا وہی حضرت کا مزاج ونظریہ اور میدان تھا، ایک احیاءِ سنت، قراءت قرآن با تجوید، تیسرا اصلاح معاشرہ، چوں کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے خوشہ چیں؛ بلکہ آپ کے گھرانے کے پروردہ رہے تھے، ظاہر ہے کہ اسی رنگ میں رنگیں تھے، چنانچہ جہاں خدمت کے لیے بھیجے جاتے وہی چھاپ چھوڑ آتے لیکن حضرت مفتی صاحب کا کمال یہ رہا کہ حالات اور زمانہ کے تقاضوں کی وجہ سے اپنے مزاج میں توسع اور طریقہ کار میں وسعت تو پیدا کیا، قوم وملت کے لیے بہت سے رفاہی، سیاسی، ملی کام سرانجام دیتے رہے؛ مگر اپنے شیخ کا مشن تادم حیات جاری وساری رکھا، حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ تڑپ ہوتی کہ کسی طرح لوگوں کا ذہن مدارس کی طرف مائل ہوجائے اور اپنے بچوں کو مدرسہ میں داخل کروائیں اور حافظ قرآن بنائیں، آپ کی ذہن سازی سے سینکڑوں بچوں نے قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا، جس طالب علم پر نظر جم جاتی فراغت تک اس کی فکر فرماتے، اس کی ہر مشکل کو آسان فرماتے حفظ کی تکمیل کے بعد اسی ادھیڑ بن میں رہتے کہ کسی طرح یہ طالب عالم عالمِ دین بھی بن جائے، خود سفر کرکے طلبہ کو لے جاتے، ملک کے مختلف مدرسوں میں ان کا داخلہ عالمیت میں کرواتے، قوم کے بچوں کے لیے یہ تڑپ اب قال قال ہی کسی میں ملتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کاوشوں کو آپ کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔

ایک وقت آیا کہ آپؒ کو مدرسہ فیض العلوم کا انتظامی ذمہ دار بنایا گیا تو اس کے داخلی انتظام وانصرام کے ساتھ ساتھ اس ادارہ کو اپنی جہد مسلسل سے پورے علاقہ میں متعارف کروایا، کشاں کشاں لوگوں کی طلب اور رجحان میں اضافہ ہونے لگا، عوام الناس میں مقبولیت عامہ حاصل ہونے لگی، پھر ایک وقت آیا کہ آپؒ کو مقامی دعوۃ الحق کا نائب ناظم نامزد کیا گیا، آپؒ نے دعوۃ الحق میں ایک نئی روح ڈالی، شہر کے لوگ دعوۃ الحق کی سرگرمیوں سے متعارف ہوئے، ہم نے کم عمری میں دعوۃ الحق کے تحت ہونے والے اصلاح معاشرہ کے جلسے جس تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوتے دیکھا ہے وہ قابل دید منظر اور آج کے اس پرآشوب دور میں لائق تقلید اور قابل عمل بھی ہیں۔ فجزاکم اللہ عنا وعن جمیع المستفیدین اجرا جزیلا

دین کے دفاعی کام: یوں تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی میدانوں کے باہمت شہسوار تھے، وہ اپنے ابتدائی دور میں حفظ القرآن کے ایک کامیاب مدرس بھی تھے، وقتاً فوقتاً عالمیت کی کوئی کتاب آپؒ سے

متعلق ہوجاتی اسے بھی پڑھاتے ،اخیر سالوں میں دورہ حدیث کی جو کتاب بھی حصے میں آئی اس کا بھی درس دیتے رہے، آپؒ کا اصل ذوق قرآن مجید کی تفسیر کا تھا،شہر کی کئی مساجد میں ہفتہ واری قرآن کے دروس بڑے اہتمام کے ساتھ دیا کرتے تھے،عوامی اذہان کے مطابق قرآن مجید کا درس دیناان کا کمال تھا،اور یہ کام خالصۃً لوجہ اللہ بڑے شوق سے انجام دیا کرتے تھے،قرآن سے شغف اور محبت کا یہ عالم تھا تادم مرض الوفات بلا ناغہ رمضان المبارک میں تراویح کے اندرقرآن مجید کاختم کیا کرتے تھے،باوجودمصروفیات وامراض کے اس کوترک کرنا گوارانہیں فرماتے تھے،مرض الوفات میں جب تراویح سنانے پرقادرنہیں تھےتو ہرآنے والے کے سامنے آبدیدہ ہوکراس تکلیف کا اظہارفرماتے ہوئے کہتے کہ مجھے یادنہیں کہ میں نے کبھی تراویح میں قرآن کاناغہ کیاہو، ان تدریسی،تفسیری،قرآنی شغف سے ہٹ کرحضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے میدان کار کے دوکام بڑے نمایاں رہے ہیں گویا وہ ان کی زندگی کا نصب العین رہے ہوں، ایک دفاع صحابہؓ ،دوسرے تحفظ ختم نبوت، حضرت مفتی صاحب کا یہ جذبہ تھاپورے علاقہ میں صحابہؓ کی پہچان اور عظمتِ صحابہؓ اجاگر ہو،اس کے لیے اپنی جمعیت کےعلم دوست نوجوانوں اورعلماءکولیکرشہر کے چپہ چپہ میں عظمت صحابہؓ کےعنوان سے جلسہ کراکرامت کو صحابہ کرامؓ کےتئیں بیدارکیا کرتے تھے،ان کی شجاعت وبہادری اورایمانی غیرت،حبِّ صحابہؓ کا یہ عالم تھا کہ اہلِ تشیع کےمخصوص علاقہ میں ان کے سینہ پر چڑھ کرصحابہؓ کی عظمت کو بیان کیا کرتے اس کام کے لیے دوسرے علماءکوبھی مہمیز لگاتے،آنے والی ہرکاوٹ سے مقابلہ کی ہمت دلایا کرتے اورخودراستہ ہموارکرکے دیتے۔

دوسرامشن تحفظ ختم نبوت: حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جنون تھا کہ وہ ختم نبوت کے دفاع کے لیےاپنا آرام قربان کرتے، ہرمصلحت کونظرانداز کرتے، ہرشرانگیزی کا سامنا کرتے،ایسے ایسے دیہاتوں تک پہنچ جاتے جہاں علماءکرام اپنے جانے کومصلحت کے خلاف سمجھتے ، یاان کی رسائی وہاں ممکن نہیں ہو پاتی،ختم نبوت کا یہ محافظ ریشہ دوانیوں،دھمکیوں کے باوجودپہنچ جاتا،بڑی لجاجت کےساتھ سمجھاتے،ان کوتائب کرواتے کلمہ پڑھاکر دوبارہ مسلمان بناتے پھران کی ایمانی ثبات قدمی اوراستقامت کی مستقل فکرفرماتے ان کی ضروریات کاتکفل فرماتے،ان کے یہاں آنے جانے کا سلسلہ قائم رکھتے۔

میری آخری ملاقاتیں اورختم نبوت کی فکر

میں اورمیرے بہنوئی حافظ ابراھیم صاحب زیدمجدہٗ عیادت کی غرض سے پہنچے، علیک سلیک کے بعد لڑکھڑاتی زبان کے پوچھنے لگے کیاتم اپنے علاقہ کی جمعیت سے وابستہ ہو؟نفی میں جواب سن کرپھرپوچھا کیاتم تحفظ ختم نبوت کےرکن ہو؟نفی میں جواب سن کردردبھرے لہجہ میں ارشادفرمایاکسی تنظیم سے وابستہ ہو یانہ ہوآپ

کا اختیار ہے مگر کم از کم تحفظ ختم نبوت کا کارکن ضرور بن جاؤ، کچھ دیر خاموشی کے بعد کہنے لگے شفاعت کا مسئلہ ہے، اس سے قبل کی ایک ملاقات میں ختم نبوت کے حوالہ سے اپنی خدمات اور اس میں پیش آئے دشواریوں کا تذکرہ بڑے درد بھرے لہجہ میں فرماتے رہے، اس کام میں اپنوں کی بے اعتنائیاں، علاقائی تعصب اور غیروں کی گیدڑ بھبکیاں سناتے رہے، اس کے بعد فرمایا دین کے کام میں علاقائی عصبیت نہیں ہونی چاہیئے، دین کا کام ہے اگر کوئی آگے بڑھ کر کرے تو اس کو اس کام میں اپنا معاون سمجھنا چاہیئے، یہ حقیقت ہے کہ آدمی مرض الوفات میں وہی باتیں کرتا ہے جو اس کی زندگی کا ہدف اور اس کی دل کی کڑھن ہوتیں ہیں، ہم نیک فالی لیتے ہیں کہ دفاع صحابہؓ دفاع ختم نبوت حضرت مفتی صاحب کی مغفرت کاملہ اور علو درجات کا سبب بنیں گی۔

اتنی تکلیف دہ مرض میں ابتلاء کے باوجود اللہ تعالیٰ سے لگاؤ اس کے ہر فیصلے پر راضی برضا رہنے کا یہ جذبہ تھا کہ بیمار پرسی کی جاتی تو زبان سے یہ جملے سننے کو ملتے الحمدللہ علی کل حال، لک الحمد و لک الشکر ہمدردی، غم گساری، صلہ رحمی کا یہ عالم تھا خود تو بستر مرگ پر تھے؛ لیکن مجھ سے بالمشافہ بھی اور فون پر بھی میرے چھوٹے بھائی حافظ عبدالسمیع جنید جو اس وقت کرونا کے شکار موت وزیست کی جنگ لڑ رہے تھے ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھتے، دعائیں دیتے، علاج میں بنفس نفیس کھڑے نہ ہوسکنے کے غم کا اظہار فرماتے اور حالات کی بہتری کی خبر سن کر زبان ساتھ نہ دینے کے باوجود جس تڑپ سے وہ الحمدللہ کہتے آج بھی وہ آواز کان سے ٹکراتی ہے تو آبدیدہ ہوجاتا ہوں اور دل مغموم ہوجاتا ہے، افراد خاندان سے قلبی لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ اس مرض میں حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے فرزند کے بیاہ کی بات نکلی تو کہنے لگے جب تک میرا بھانجہ صحت یاب ہوکر گھر نہیں آجاتا میرے بہن اور بہنوئی کو سکھ نہیں مل جاتا اس وقت تک شادی کی تاریخ کو مؤخر کیا جائے۔

ایسا کہاں لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ایک ملاقات میں عیادت کے بعد رخصت کی اجازت چاہا تو چہرہ سے ایسا محسوس ہوا کہ منشاء کچھ دیر مزید توقف کرنے کا ہے، پھر بیٹھ گیا کچھ لمحات کے بعد مغرب کی اذان کی آواز آئی پھر اجازت لینا چاہا تو آہستہ آواز سے مگر تکلیف کے ساتھ کہنے لگے رک جاؤ یہیں پڑھ لو، ہماری بھی جماعت ہوجائیگی، وہیں باجماعت نماز ہوئی نماز سے فراغت کے بعد اس قدر شدید کرب والم کے باوجود کہ سجدہ میں جھکتے ہیں تو تکلیف دہ کھانسی کا لمبا سلسلہ شروع ہوجاتا، وہ اس قدر کہ دیکھنے والے بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکیں سنن بعدیہ اور اوابین کا بھی اہتمام فرمایا، اس ذوق عبادت کو دیکھ کر دل نے اپنے آپ پر اور اپنی بے ذوقی پر ملامت کیا، غرض طویل علالت، جان لیوا تکلیف، بے چینی کلفت وہ شدت مرض سے کراہنا۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

نقوشِ رفتگاں

آہ! استاذ محترم حضرت مفتی محمد عبدالمغنی مظاہری رحؒ

از: مولانا محمد ممتاز احمد خان حسامی

حضرت مفتی محمد عبدالمغنی صاحب مظاہری رحمہ اللہ میرے اُن اساتذہ میں سے ہیں جن سے بے حد محبت وتعلق کا رشتہ ہے، حضرت مفتی صاحبؒ اپنے تلامذہ کی ہر لائن سے تربیت کرنا چاہتے تھے، رسمی طور پر صرف پڑھنے پڑھانے پر اکتفانہ فرماتے تھے، بلکہ تعلیم سے متعلق دیگر فنون وعلوم سے وابستگی کا شوق طلباء میں اُجاگر کرنا حضرت مفتی صاحبؒ کا وصفِ خاص اور طرۂ امتیاز تھا، تعلیمی محنتوں میں تقریر وتحریر اور پر طلبا کو اُبھارتے تھے اور اپنی اصلاح وتربیت کی فکر دلاتے رہتے تھے، اسی میدان کے کچھ واقعات سے میرے ذہن میں آرہے ہیں جسے نوکِ قلم پر لارہاہوں۔

● یہ عجیب اتفاق ہے کہ تعلیمی دور میں حضرت مفتی صاحبؒ کی صدارت میں پہلی تقریر ''حُب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان پر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اب جب بھی ''حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے تقریر کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کی یادتازہ ہوجاتی ہے، اگرچہ آپؒ نہ رہے لیکن یہ اُنہی کا فیض ہے، اللہ کرے کہ احقر کے لئے یہ تقریریں دینی وعلمی اور عملی نشاۃِ ثانیہ ثابت ہو۔

● احقر کو مفتی صاحبؒ کے پاس قرآن شریف کے ۱۵ پارے حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اسی درمیان مفتی صاحبؒ ایک بار مجھ کو دعا دیئے، اللہ تعالیٰ تم کو بھی تمہارے جیسے شاگرد نصیب کرے، اس وقت تو یہ دعا سمجھ میں نہیں آئی، جب احقر کا حفظ ختم ہوگیا تقریباً ۵۴ سال بعد ایک بار مدرسہ فیض العلوم جانے کا اتفاق ہوا، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، اسی دوران ایک طالب علم مولانا کے پاس آیا، اور استاذ کے ادب کے خلاف لہجہ میں بات کیا، میں نے عرض کیا مولانا! یہ بچہ آپ سے کس طرح بات کررہا ہے؟ مولانا نے فرمایا: یہ تمہارا دور سمجھ رہے ہیں کیا؟ تب مجھے حضرت مفتی صاحبؒ کی دعا یاد آئی، اسی دعا کی ایک برکت یہ سمجھ میں آئی کہ الحمد للہ اب تک احقر کو کسی ایک استاذ سے بھی شکایت نہیں ہے، اور جہاں تک غور کیا کسی

شاگرد کو بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

● احقر کو مفتی صاحبؒ کے پاس اعدادیہ کی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اول جماعت مدرسہ رحمانیہ میں اور دوم جماعت مدرسہ اشرف العلوم میں پڑھا اس کے بعد کچھ وجوہات کی بنا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا، مختصر مدتی کورس میں پڑھتا رہا، ہمارے بعض ساتھی دورۂ حدیث کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے سہارنپور چلے گئے احقر کو یہ فکر ہوئی کہ کم از کم دورۂ حدیث حضرت مولانا حمید الدین عاقل صاحبؒ کے مدرسہ سے ہی کر لینا چاہیئے؛ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہو جائے، اسی سوچ وفکر میں تھا کہ ایک رات خواب میں حضرت مفتی صاحبؒ کی زیارت ہوئی، آپؒ دفتر میں تھے، احقر ملاقات کے لئے گیا، حضرت نے پوچھا کیا میاں دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا، میں نے عرض کیا حضرت اسی سلسلہ میں مشورہ کرنے آیا ہوں، حضرتؒ کے ہاتھ میں فارم کی شکل میں ایک کاغذ تھا، وہ ڈکس میں رکھ کر بند کر دیئے اور مجھ سے فرمایا: جا تیرا داخلہ ہو گیا، یہ اشارہ پا کر احقر دارالعلوم حیدرآباد جا کر دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا، اس طرح دورۂ حدیث کی فضیلت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ

● حضرت مفتی صاحبؒ کبھی کبھی لطیف اور مربیانہ مزاح بھی فرماتے تھے، احقر ایک بار فیض العلوم سے سعید آباد کی طرف پیدل جا رہا تھا، آپؒ میرے پاس آ کر رکے، اور فرمایا گاڑی پر بیٹھ جاؤ، میں نے عرض کیا حضرت تھوڑی دور ہی جانا ہے، آپؒ نے فوراً فرمایا تھا اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتی۔

● ایک دفعہ حضرت مفتی صاحبؒ کی مزاج پرسی کی غرض سے ملاقات کے لئے گیا، موقع غنیمت جان کر عرض کیا حضرت میری زندگی کے تقریباً ۳۵/سال آپ کے سامنے گذرے، کوئی قابل توجہ بات یا کوئی ضروری نصیحت فرمائیں اور اپنی زندگی میں پیش آئے کچھ واقعات سنایا، حضرتؒ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت دعائیں دیے اور فرمایا: اللہ کی طرف سے یہ تمہیں رہبری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے؛ ''ظاہری طور پر بھی کسی کو اپنا رہبر بنالو بہت فائدہ ہوگا۔ انشاء اللہ''

اللہ تعالیٰ ہم سب محبین اور تلامذہ کو حضرتؒ کی اس نصیحت کو وصیت سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نقوشِ رفتگاں

قائدِ احرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانیؒ

ازقلم: حضرت مولانا غیاث الدین دھام پوری*

مانا کہ انسان جانے کے لئے ہی آیا ہے، ایک نہ ایک دن یہ سارے محبوب اہل وعیال اور خدمت گار وفاشعار دوست و احباب ہم سے بچھڑ جائیں گے، یہ فلک بوس اور پر شکوہ عمارتیں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں گی، یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور دریا کی تلاطم خیز موجیں ہم سے جدا ہوجائیں گی، گلستاں کی آغوش میں کھلے ہوئے یہ جاذب نظر، روح پرور اور خوشنما پھول ہماری نظروں سے غائب ہوجائیں گے، الغرض یہ سارا عالم اور عالم میں بسنے والی ہر چیز کوالوداع کہنا ہوگا، ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا ہر جسد خاکی کو خاک میں ملنا ہوگا، اس کے باجود اس دنیا میں کچھ عظیم اور برگزیدہ شخصیات ایسی ہیں جو اس دنیا سے پردہ کر جانے کے بعد بھی زندہ جاوید رہتی ہیں، جن کی ایثار وقربانی اور خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ تادیر ان کے احسانات کوفراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہی چیدہ اور پاکیزہ شخصیتوں میں سے ایک ہستی مجلس احرار کے قومی صدر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانیؒ تھے۔

اہل اللہ کے قافلے سوئے آخرت رواں دواں

اہلُ اللہ کے قافلے تیزی سے عالم آخرت کی طرف جا رہے ہیں گزشتہ کچھ عرصے سے ملک وملت کی مقتدر اور خالص علمی، شخصیات کی وفات کے حادثات پیش آئے، ایک شخصیت کی وفات سے آنسو خشک نہیں ہونے پاتے کہ دوسری شخصیت داغ مفارقت دے جاتی ہے، ایسی عظیم ہستیاں اس دارفانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئی ہیں کہ اُن کے فراق سے دل ودماغ متأثر اور آنکھیں اشک بار ہیں ان بزرگوں کے ارتحال کے حادثوں نے دلوں پر بجلی گرادی، ہر جانے والا اپنے پیچھے ایسا مہیب خلاء چھوڑ کر جارہا ہے کہ جس کے پر ہونے کی امید نظر نہیں آتی، خلوص وللّٰہیت، دین کی سچی تڑپ، تقوی، طہارت، سادگی، قناعت اور تواضع ایسی صفات ہیں جو کتابوں میں نہیں؛ بلکہ صرف اور صرف بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں، اور یہ اوصاف موجودہ زمانے

* سابق استاد جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، صدر مجلس احرار اسلام، بجنور، یوپی

میں کہیں خال خال ہی ملتے ہیں؛ بلکہ اب تو سمٹ رہے ہیں، اوراس خسارے کی تلافی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا اس اعتبار سے بزرگ علماء کی وفات ملت کا نا قابل تلافی نقصان ہے۔

موت ایک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ایک شخص ایک کارواں

۱۰ رستمبر ۲۰۲۱ کی شام لدھیانہ (پنجاب) کی ایک افسردہ شام تھی جو اچانک بہار سے خزاں میں بدل گئی، فرحت ومسرت کی جگہ ہر طرف اداسی چھا گئی، آج عام دنوں کی سی بات نہ تھی، آج کی خاموشی کچھ پراسرار قسم کی تھی، ہر چیز پر ایک بے نام سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ سارا ماحول غمزدہ اور رنجیدہ تھا، لدھیانہ کے فیلڈ گنج کا بازار ہر وقت بڑا پر رونق رہتا ہے؛ لیکن آج اس پورے علاقے پر بلکہ یوں کہیے کہ پورے پنجاب پر اداسی اور پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ شیر پنجاب مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانی، حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانویؒ کے بڑے صاحبزادے اور اپنے دادا مرحوم بانی مجلس احرار اسلام، بطل حریت، مجاہد آزادی ہند، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کے ہمنام اللہ کے دربار میں حاضر ہو گئے، انا للہ وانا الیہ رجعون، بے اختیار زبان سے نکلا، آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی، دماغ جیسے ایک نقطے پر ٹھہر گیا، بحمد اللہ مولانا نے ۶۳ رسال عمر پائی۔ اور پھر بحکم خداوہ کتاب زندگی ختم ہو گئی جو ۶۳ ر برسوں تک جہد مسلسل سے عبارت تھی، سیاسی اور مذہبی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل مختصر سی علالت کے بعد ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا، ہندوستان کے مسلمانوں کو عموماً اور اہل پنجاب کو خصوصاً اپنی یتیمی کا احساس ہوا ان کے سروں سے ان کا سایہ عاطفت اٹھ گیا، ایک مخلص خادم قوم نہیں رہا مجلس احرار اسلام ہند کا یہ خادم اپنے رب سے جاملا۔ آناً فاناً میں یہ جانکاہ خبر واٹسپ، ٹیلیگرام، انٹرنیٹ، فیس بک، ٹویٹر، پرنٹ والیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، حضرت کی وفات کی خبر سن کر ہر مسلمان کا رخ جامعہ حبیبیہ جامع مسجد لدھیانہ کی طرف ہو گیا، لدھیانہ کے نیل گوں آسمان نے اس سے پہلے ایسا سماں بہت کم دیکھا تھا، صبح کو فیلڈ چوک (شہر لدھیانہ کا مرکزی حصہ) کی دوکانیں بند تھیں، واضح ہو کہ اس سے قبل کسی کی وفات پر لدھیانہ شہر کا یہ مرکزی بازار کبھی بند نہ ہوا تھا، مگر شیر پنجاب کی وفات پر پہلی مرتبہ لوگوں نے اس کو بند دیکھا، مکمل شہر میں ویرانی سی چھائی ہوئی تھی، ہر جگہ افسردگی کا عالم طاری تھا، کیا مسلم اور کیا غیر مسلم ہر ایک کی زبان شیر پنجاب کے محاسن کے تذکروں سے رطب اللسان تھی، قرب وجوار کے لوگ جوق در جوق آنے لگے، ازدحام کثیر کی وجہ سے جنازے کو جامع مسجد

کے مرکزی دروازے کے باہر روڈ پر رکھا گیا؛ تاکہ ہر شخص حضرت کا آخری دیدار بآسانی کر سکے،مگر پھر بھی پولس کے محافظ دستوں کی موجودگی میں لائن لگا کر آخری دیدار کا منظم انتظام کیا گیا، بعد نماز عشاء ختم نبوت زندہ باد،نعرہ تکبیر کی صداؤں کے درمیان جنازہ اٹھا،اس میں شریک ہونے والوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اسٹیشن سے لیکر پورا فیلڈ گنج اور اطراف کے سرکل بالکل منجمد تھے،ایسی محبوبیت اور اس قدر مقبولیت مجھے اپنی زندگی میں شاید سننے کو تو ملی مگر دیکھنے کو نہ ملی۔ بہر کیف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ کی اپنے والد محترم (حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانویؒ مفتی اعظم پنجاب) ابن مجاہد آزادی رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ (المتوفی ۷ ۲ رمئی ۱۹۸۷ء) جو کہ جامع مسجد لدھیانہ میں محو استراحت ہیں،ان کے پہلو ہی میں آخری آرام گاہ بنائی گئی،ارحمهم الله جميعا و تقبل جهودهم لصلاح الاسلام و المسلمين و ادخلهم فسيح جناته و ارزقهم ثمار الجنه و نعيمها،آمین

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

مرحوم کی شخصیت ایک پر بہار اور عہد آفریں شخصیت تھی،ایک سچے مجاہد کی طرح ''ول پاور'' بے انتہا تھی، انہوں نے آخری دم تک بیماری نامی کسی چیز کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے،نہ شکست مانی۔وہی زندہ دلی اور بذلہ سنجی جوان کا طرۂ امتیاز تھا آخر تک باقی رہی۔نہ جانے پرانے زمانے کا یہ انسان اس زمانے میں کیسے پیدا ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے حضرت سے قربت بڑھتی گئی تو آپ کے مزاج و مذاق کی بہت سی ایسی باتیں سامنے آتی گئیں جو شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہیں۔اور ان کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالی نے عبقری الصفات بنایا تھا جو خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں اور قسمت ان کو کسی بڑے کام کے لئے دنیا میں بھیجتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے جسمانی وجاہت کے ساتھ روحانی وانسانی صفات کا بھی آپ کو مرقع بنایا تھا،آپ نے اپنی ذاتی وجاہت سے اپنی ذات کو سنوارنے کی فکر نہیں کی ؛ بلکہ آپ نے اپنی تمام صلاحیتوں اور اپنے اثر رسوخ کو قوم وملت کی تعمیر وترقی کیلئے وقف کر دیا،جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے اپنوں اور غیروں میں آپ کو یکساں مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا تھا، بہت سی خصوصیتوں کی وجہ سے آپ کی ذات مسلمانان ہند کے لئے ایک مرکزی حیثیت اختیار کر چکی تھی،آج جب کہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن یہ خدمات ان کیلئے یقیناً رفع درجات کا سبب بنی ہوں گی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن ثانیؒ قوم کی آبرو تھے

جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو چونک کر رہ گیا، بلاشبہ وہ شیر ببر کی طرح لگ رہے تھے، چمکتا چہرہ،

کشادہ پیشانی ،خوبروو خوبصورت ، پررعب وباوقار، آنکھوں میں غیر معمولی چمک، اندرونی جوش ،تمتماتے چہرے پر غیر معمولی رونق ودبدبہ، درازی قد کے ساتھ ایسا بھاری بھر کم جسم جس سے حسن میں اضافہ ہو، رعب دار شخصیت کے مالک دین کی سربلندی زندگی کا مشن ،خلوص وایثار، جرأت وشجاعت کا پیکر، ڈاڑھی مولانا کے گورے سرخ چہرے پر ایسی سجتی تھی کہ سبحان اللہ! شیر بھی کھلے جنگل میں ایسا رعب دار کیا ہوگا؟ اور ویسے بھی حضرت کو شیر پنجاب کا لقب ملا ہوا تھا۔کسی انسان کو شیروں سے تشبیہ دیتے ہوئے تو بہت سے شاعروں اور ادیبوں کو سنا تھا مگر اپنی آنکھوں سے ایسی شخصیت کو دیکھنے کا اتفاق پہلی مرتبہ ہوا جو اس تشبیہ پر سو فیصد مکمل اترتی ہو، اتنی مکمل کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے مبہوت ہو کر گردوپیش سے بیگانہ ہو جائیں ۔ جب تک مسلمان مائیں کلمہ پڑھ کر اپنے بچوں کو دودھ پلاتی رہیں گی ان میں ایسے شیر صفت پیدا ہوتے رہیں گے جن کے خنجر کی دھار شیطان کے چیلوں کو خوف زدہ رکھے گی ۔ بات یہ ہیکہ اس زمانے میں ان جیسا خوددار، وضع دار اور یاروں کا یار، دنیا گھوم جایئے کہیں نہ ملے گا، ایسے لوگ قوم کی آبرو اور زمانے کی پہچان ہوتے ہیں جو قوم و وطن کے لئے اپنا سب کچھ لٹا کر بھی بدلے میں کچھ نہ چاہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ’’خیارھم فی الجاھلیہ خیارھم فی الاسلام اذافقھوا‘‘(جو لوگ خاندانی ہوتے ہیں زمانۂ جاہلیت ہو یا زمانۂ اسلام ان کے فطری اوصاف بہ شرطِ تفقہ ان کا طرۂ امتیاز ہوتے ہیں)اتنا کھرا، اتنا بےلوث اور دل صفا بندہ،منافقت ،خوشامد اور ریاکاری کی اس مادی دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ملنا مشکل ہے۔

مولانا حبیب الرحمن ثانی اپنے ہمنام دادا مولانا حبیب الرحمن کا پرتو

آپ کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ پر نہیں کیا جا سکتا، مولانا حبیب الرحمن ثانیؒ اپنے ہمنام دادا مولانا حبیب الرحمٰن کی طرح سیاسی شعور، جوش عمل، اولوالعزمی میں ہم عصر علماء سے تازندگی نمایاں رہے، حضرت والا کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے دینی حمیت وغیرت کا کچھ ایسا ولولہ اور جذبہ بھر دیا تھا جو ہمہ دم اور ہمہ تن آپ کو بے تاب رکھتا تھا، نیک بندوں کی قبولیت عند اللہ کی علامتوں میں سے یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کی وفات کے بعد لوگ ان کو اسوہ وقدوہ مان کر ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح ان کے شروع کئے ہوئے دینی کام اور اور تحریکی مشن کے دائرہ کو ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد پہلے سے زیادہ اللہ تعالی وسیع کر دیتے ہیں۔

جرأت وشجاعت اور خلوص کا پیکر

مولانا خلوص ایثار، جرأت وشجاعت کا پیکر تھے، جو بھی آپ سے ملتا آپ کی منکسرانہ طبیعت سے ضرور متأثر ہوتا، آپ ہر آنے والے کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے اوراس کی تواضع کرتے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ رہتا، مختلف مسالک ومکاتب فکر کے علماء وقائدین کی قدر فرماتے، ان سے روابط استوار رکھتے، ہرایک کی دینی وعلمی خدمات کا اعتراف کرتے، مولانا کا ایک نمایاں وصف ایمانی جرأت اورحق گوئی وبے باکی تھا، امراء وحکام کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہ برتتے، ان کے سامنے بے ٹوک اپنا موقف رکھتے اور بلاخوف وتردد صحیح بات کہتے، یہ فدائیانہ جذبات، یہ غیرت وشجاعت، یہ بے خوفی وجرأت ہی مسلمانوں کی وہ لافانی اورلازوال روایت ہے جو حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجاز آفریں برکت ہے، جو ہماری آبرو کی ضامن، ہماری پہچان اور مایۂ افتخار ہے۔ میرے مشاہدے کے مطابق مولانا کی شخصیت، ڈر، خوف اوراندیشہ ہائے دوردراز سے بعدالمشرقین کا فاصلہ رکھتی تھی۔ پنجاب کے امراء ووزراء آپ کی زیارت وملاقات کو باعث سعادت سمجھتے تھے اورآپ کے در پر حاضری دیتے تھے، مگر آپ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہی سادہ رہن سہن، معمول کا کھانا، وہی عام پہناوا، آپ کی ذات میں حمیت دینی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ہروقت آپ کو یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ملت اسلامیہ کو اس کا کھویا ہوا مقام کیسے حاصل ہو؟

باوقار عالم دین اور قلندرانہ شان

مولانا ایک باوقار عالم دین اورقلندرانہ شان رکھنے والے قائد ورہنما تھے، تحفظ قانون شریعت کے لئے بے چین رہتے تھے، مسلمانوں کے مسائل سے خصوصی دل چسپی رکھتے تھے، اوراس کے حل کے لئے ہمیشہ سرگرم رہتے تھے، سرکاری انتظامی اوردفاعی محکموں میں بھی ان کا ایک رعب ودبدبہ تھا، دین کی بقاء اورتحفظ کا جذبہ بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اوراس کے لئے وہ ہر ممکن جتن کرتے رہتے تھے، پنجاب کے مسلمانوں کیلئے تو وہ ایک مضبوط ڈھال تھے، اسی لئے ان کی ایک آواز پر پنجاب کے لاکھوں مسلمان لدھیانہ فیلڈ چوک جامع مسجد میں جمع ہوکر اپنے زندہ دل ہونے کا ثبوت پیش کرتے تھے، عصر حاضر میں علماء کی صف میں جو شخص جدید وقدیم تصورات کا سنگم، اور بیک وقت جلال وجمال کا حسین مرقع بن سکتا تھا وہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانی رحمہ اللہ تھے۔ قادر مطلق نے انہیں نازک سے نازک موڑ پر سچی بات سلیقے سے کہنے کی مخصوص صلاحیت سے نوازا تھا، حق گوئی اور بے بیباکی میں وہ نسبت موسوی کے حامل معلوم ہوتے تھے۔ ایک قائد کو جن اوصاف وخصوصیات سے متصف ہونا چاہئے ان میں کچھ تو انہیں موروثی طور پر اباؤ جداؑ ودیعت ہوئیں جیسے ایمان باللہ،

انابت الی اللہ، یقین وتوکل، بیدار مغزی، حالات پر نظر، سخاوت، سماحت، رفقاء کا خیال، معاونین کے ساتھ شکر گزاری وہمدردی، اور دوسروں کے ساتھ درگزر، دسترخوان، پر بھی سبھی کی فکر، جس کا راقم نے خود مشاہدہ کیا۔ یہ اور اس طرح کی دیگر خصوصیات کیوجہ سے انکا یہ حق تھا کہ ان کے کارناموں کو مدون کیا جائے، ان کی قومی تاریخ اور خدمات کو محفوظ رکھا جائے اور ہماری آئندہ نسلوں کو اس سے واقف کرایا جائے۔

ساعت مسعود

شب جمعہ اور رات کا آخری پہر بلاشبہ ساعت مسعود ہے، باری تعالی کی اس مبارک ساعت میں اپنے بندوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے، شب جمعہ تھی اور وقت پونے بارہ جب مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانیؒ کا وقت موعود آپہونچا۔ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، روح اور جسد میں انقطاع ہوگیا، جسم خاموش اور روح شاداں وفرحاں، اعلیٰ علیین کی طرف پابہ رکاب، فانی زندگی کا اختتام اور حیات جاودانی کا آغاز، ادھر زندگی کے جھمیلوں میں جلتا ہوا چراغ گل ہوا اور ادھر دوام زندگی کی صبح نمودار ہوئی، بڑا قابل رشک وقت ملا مولانا مرحوم کو، اس وقت خداوند قدوس کے سماء دنیا میں نزول فرمانے کی وجہ سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت واشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے، یقینا مولانا مرحوم بھی اس خصوصی توجہ ونظر سے مشرف ہوں گے۔ امید قوی ہے کہ اللہ رب العزت انہیں اپنے یہاں وہ تمام نعمتیں عطاء فرمائے گا جو وہ اپنے بندوں کو عطاء فرماتا ہے۔

اوراد وظائف

آپ کو مبدء فیاض سے جذب وگداز اور عشق ومحبت الہٰی سے وافر حصہ عطاء ہوا تھا، بسا اوقات ان کی گفتگو اور بیانات سے محسوس ہوتا کہ وہ باطن کے اعلی مقام پر فائز ہیں وہ عشق نبوی اور محبت الہٰی کے ایسے واقعات سناتے کہ آنکھیں اشک بار ہوجاتیں، اور احساس ہوتا کہ موصوف کا باطن بہت روشن اور قلب سوز محبت سے لبریز ہے۔ تہجد کے لئے وقت سے پہلے بیدار ہوجانے کا معمول تھا اور اس وقت سے اشراق تک اوراد واذکار میں لگے رہتے تھے، تہجد کے وقت دعاء کا بھی خوب اہتمام فرماتے، راقم نے اس حالت میں مرحوم کو بارہا دیکھا، افسوس کہ ایک عظیم محسن اور بڑے مخلص کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ان کی دعاء ان کی شفقت بڑا سہارا تھی! اب وہ اپنی دعاؤں اور دل نواز شفقتوں کیساتھ قبر میں اتر گئے، اللہ کا فضل ہے کہ راقم کو انکی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، ان کی نماز جنازہ میں قریب وبعید کے لاکھوں محبین مخلصین ومتعلقین نے شرکت کی، مگر افسوس غفلت شعار ماحول میں ایسے افراد (نگینے) اٹھتے چلے جارہے ہیں، اور تاریکی بڑھتی چلی جارہی ہے، منبر ومحراب پر جبہ ودستار میں ایسے لوگ دیکھے جارہے ہیں جو سوز محبت سے عاری اور جذب اندرون سے خالی ہے۔ الا ماشاء اللہ

پہلی ملاقات کب؟

یاد نہیں پڑتا کہ پہلی ملاقات کب ہوئی اور اس کے بعد تو وقفے وقفے سے ملاقاتیں ہوتی ہی رہیں، البتہ حضرت سے آخری بالمشافہ اور تفصیلی ملاقات لاک ڈاؤن سے قبل ہوئی، اور قبل از انتقال دو ماہ، فون پر ایک اہم قومی وملی مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ گزشتہ بیس سال سے مولانا سے میرا تعلق رہا ہے اور اسی تعلق کی بناء پر ملاقاتیں ہوتی تھیں، اور ہر ملاقات میں یہ رشتہ تندرست اور توانا ہوتا چلا گیا، ان کی بعض ادائیں آج تک حافظہ کے پردہ پر گُل بوٹے کی طرح ٹنکی ہوئی ہیں اور عالم خیال میں آنکھوں کے سامنے وہ سارے مناظر گزرنے لگتے ہیں اور ایک گونہ بے خود سے کر دیتے ہیں، بڑی شخصیت تھی ان کی، مولانا کی نمایاں صفت سادگی، سادہ پہننا، سادہ کھانا تھا، سادگی کے باوجود ہمیشہ ان کے دسترخوان پر مہمان رہتے تھے، وہ خود تو برائے نام ہی کھاتے تھے مگر دوسروں کو کھلا کر مولانا بہت خوش ہوا کرتے تھے، راقم کو تو وہ کھانا اپنے ساتھ ہی کھلاتے تھے، جود وسخاوت آپ کا بہت نمایاں وصف رہا ہے، مہمان سے گریز بلکہ فرار کے اس دور میں ان کا یہ مزاج لائق تحسین تھا، وہ جو بعض دسترخوان پر چھپا رہتا ہے، کہ

شکر کر رزاق کا بدل نہ ہو مہمان سے
رزق اپنا کھا رہا ہے تیرے دسترخوان سے

اگر معلوم ہوتا کہ آپ کا کوئی متعلق شخص ضرورت مند ہے تو اس کی طلب کے بغیر اس کی ضرورت پوری کر دیتے، یعنی سخاوت اور جودت کمال درجے کی تھی، مولانا کی شخصیت میں دو نمایاں صفتیں بطور خاص قابل ذکر رہی ہیں ایک تو ممکنہ حد تک وسعت قلبی، اور مہمانوں کی خاطر تواضع، دوسری اہم خصوصیت دین وملت کی خدمت ودفاع کا جذبہ تھا، وہ کسی کو بھی دین وملت کو نقصان پہنچاتے دیکھتے تو اس کا سخت نوٹس لیتے اور فوراً میڈیا میں اس کی مخالفت میں بیانگ دہل بیان جاری کرتے، اور اس میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔
حضرت مولانا کی ساری زندگی ہی عبادت تھی، آپ فرض نماز باجماعت ادا فرماتے اور اذان کی آواز سنتے ہی مسجد کا رخ کرتے (بلکہ از فجر تا عشاء مسجد ہی میں رہتے) اذان کے بعد کتنا ہی اہم کام ہو نہ کرتے، مسنون دعاؤں کا خاص اہتمام کرتے، فرائض کے علاوہ سنن ونوافل کی پابندی کرتے، اور پابندی سے تہجد کی نماز بھی پڑھتے، رمضان میں تلاوت واذکار میں خاصہ اضافہ ہو جاتا، سفر میں بھی بروقت نماز کی پابندی کرتے تھے مگر چند سالوں سے پے در پے عوارض کی وجہ سے ہر قسم کا سفر بالکل بند کر رکھا تھا۔ عزیزوں نے اہتمام کے ساتھ علاج کرایا، مگر انہوں نے آخری سفر کے اسباب جمع کر رکھے تھے، علاج کام نہ آیا، وہ چلے گئے۔ مولانا کے

سفر آخرت کے بعد نہ جانے کیوں یہ احساس ذہن کے پردے پر ابھرتا رہا کہ کچھ دن اور جی لئے ہوتے؟۔مگر

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

تلوار کی اہمیت اور محبت

عالم اسلام کے انتشار اور مسلمانوں کے اس دور کا زوال وہ ناگزیر حقیقت ہے ،جس کی پیشن گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''جب ایک بار میری امت میں تلوار رکھدی جائے گی تو پھر قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی'' حوالہ (سنن ترمذی، کتاب الفتن) جس طرح شیر میسور حضرت ابوالفتح علی ٹیپو سلطان شہیدؒ (المتوفی ۱۷۹۹) کی جب شہادت ہوئی تو ان کا جسم کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی گرم تھا، اور بدن کی تازگی بالکل زندہ انسان کی طرح تھی ،تب بھی ان کا ہاتھ مضبوطی سے تلوار کے دستے پر جما ہوا تھا،اسی طرح حضرت مولانا حبیب الرحمن ثانیؒ کو تلوار سے بڑی محبت تھی، سفر ہو یا حضر خطاب کی محفل ہو یا پریس کانفرس،غرض کوئی موقع ہو تلوار ہاتھ سے نہیں چھوٹتی تھی حتیٰ کہ یہ محبت قبر تک ساتھ گئی ۔

قائد نوجوان پنجاب کے نویں شاہی امام

مجلس احرار اسلام کے قائد نوجوان و شاہی امام مولانا محمد عثمان رحمانی ابن حبیب الرحمن ثانیؒ مظاہری کی شکل میں اللہ رب العزت نے پہلے ہی نعم البدل تیار کر رکھا تھا،لہذا حضرت مولانا کی وصیت کے مطابق ،اسلامی اور خاندانی روایات کے مطابق حضرت کے بڑے صاحبزادے اور جان نشیں مولانا عثمان صاحب رحمانی مظاہری (شعلہ بیان مقرر و صاحب قلم) کو ایک تقریب کے دوران پنجاب کا شاہی امام مقرر کیا گیا، واضح ہو کہ مولانا عثمان رحمانی نے گزشتہ بیس سالوں سے اپنے والد محترم کی ماتحتی اور حیات میں ،دینی سماجی اور سیاسی میدانوں میں مہارت حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں اور ملک وملت کا سر فخر سے بلند کیا ہے،خود مولانا عثمان صاحب نے بھی اس کا عہد کیا ہے کہ میں اللہ رب العزت کو حاضر و ناظر جان کر پابند عہد ہوں کہ مکمل ایمانداری و جرأت مندی کے ساتھ والد محترم کی ہدایات و روایات کے مطابق آواز حق بلند کرتا رہوں گا،اور تحریک ختم نبوت پر کوئی آنچ نہیں آنے دونگا۔ یاد رہے کہ موجودہ شاہی امام مولانا عثمان رحمانی اور دیگر احباب کا ۲۰۰۰ء میں عقیدہ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں قادیانیوں کی طرف سے دائر ایک جھوٹے مقدمے میں چار سال دو ماہ کا طویل عرصہ پاداش حق میں لدھیانہ سینٹرل جیل میں بھی گزرا ہے، اس قید و بند کی پوری اور دلچسپ تفصیل جاننے کے لئے مولانا عثمان رحمانی کے قلم سے لکھی گئی تازہ تصنیف (ایام اسیری) کا مطالعہ کریں،انہیں ایام

اسیری کے دوران راقم الحروف کی لدھیانہ سینٹرل جیل میں مولانا عثمان صاحب سے پہلی ملاقات تھی ،جس کی یاد ذہن کے پردے پر اب بھی مرتسم ہے۔

مولانا عثمان رحمانی کی جیل سے دو نہایت اہم خدمات

دوران ایام اسیری لدھیانہ سینٹرل جیل میں دو بڑے اہم کام شاہی امام مولانا عثمان رحمانی سے حق جل مجدہٗ نے ایسے لئے ہیں جو کسی کرامت سے کم نہیں۔(۱) جیل سے آٹھ اوراق پر مشتمل ہفت روزہ اردو اخبار (الاحرار) کی اشاعت ،(جو کہ ایام اسیری کے ساڑھے چار سال 'الاحرار' جیل سے جاری رہا) جس کے چیف اڈیٹر خود مولانا عثمان صاحب ہی تھے ،۲۰۱۰ء تک یہ اخبار معمول سے ہٹ کر دفتر کے بجائے جیل سے شائع ہوتا رہا ،اور ملک کے دینی حلقوں میں نہایت مقبول رہا۔ بالخصوص مدارس اسلامیہ کے طلبہ نے 'الاحرار' کی خوب پذیرائی کی ،قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود مجلس احرار اسلام کے شیروں کے ذریعہ الاحرار کا اجراء وہ بھی جیل سے یہ اپنے آپ میں ایک غیر معمولی واقعہ اور تاریخی اقدام ہے۔(۲) مجلس احرار اسلام ہند کی جانب سے لدھیانہ سینٹرل جیل میں ''مسجد ختم نبوت کے قیام'' کا نہایت اہم اور قابل ذکر و قابل فخر تاریخی کارنامہ ،یعنی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ۔ واضح ہو کہ ختم نبوت کے نام سے تعمیر یہ مسجد برصغیر کی تمام جیلوں کی پہلی مسجد ہے، جو کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن ثانی قدس سرہٗ کی دعاؤں اور ان کے جانشیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ایسے خوش اخلاق ،خوش خصال خوش اطوار اور اپنے فن سے شغف رکھنے والے (شاہی امام) کو اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے ، اور خوب خوب ترقی اور کامیابی سے نوازے۔

یہ چند باتیں ارتجالاً قلم سے وارد ہوئی ہیں، ورنہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ثانی ؒ کی شخصیت کے گونا گوں پہلو، خدمات ،کمالات اور خصوصیات کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس پر مسقل کام کرنیکی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ متعلقین کو توفیق دے کہ وہ آپ کے مشن کو آپ کی ہدایات کے مطابق آگے بڑھائے ،اور آپ کی تمناؤں کے موافق آپ کے کاموں کو ترقی واستحکام دینے کیلئے کما حقہ محنت اور جد جہد کریں۔

اے عظیم پروردگار! اسلاف کے اس عظیم سپوت کو پنے جوار رحمت میں قرب خاص عطا فرما۔ آمین یارب العلمین۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

رام، رحیم کو ملا کر کہنے کا حکم

سوال: کیا" رحیم" کے ساتھ" رام" کو ملا کر کہنا جائز ہے؟ کیوں کہ دونوں میں معنی کے اعتبار سے مناسبت ہے، رام کے معنی" محبت" اور رحیم کے معنی" نہایت رحم کرنے والا" ، اور حقیقت میں" رحیم" ہی نہایت محبت کرتا ہے۔

جواب: رام کے معنی محبت کے نہیں آتے؛ بلکہ فارسی میں مطیع وفرماں بردار، اور سنسکرت میں پرمیشور اور پروردگار کے آتے ہیں، اور یہ رام چندر جی کا خطاب بھی ہے، اس لئے اس طرح دونوں کو مِلا کر کہنا جائز نہیں، مزید برآں محض معنوی مناسبت کی وجہ سے اگر اس طرح کہنا جائز قرار دیا جائے تو دنیا میں ہزاروں ناموں کو جوڑ کر اس طرح کہنا جائز قرار دیا جائے گا، اس لئے" رام رحیم" کو ملا کر کہنا جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد از فتاوی قاسمیہ: ۱/ ۳۹۶)

شفایابی کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال: ایک شخص کا لڑکا بیمار ہے، اس کی شفایابی کے لئے بکرا ذبح کر کے صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو اس مقصد سے جو بکرا ذبح کیا جائے گا، تو وہ حلال ہوگا یا نہیں؟

جواب: عوام میں یہ عقیدہ ہے کہ بکرا ذبح کرنا اور خون بہانا ہی بیماری سے شفایابی اور بلاؤں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس مقصد کے لئے بیمار کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرتے ہیں، تو ایسا کرنا ناجائز وحرام ہے، اور وہ گوشت فقراء کے لئے بھی ناجائز ہے، اگر مقصد ذبح کرنا نہیں ہے بلکہ صدقہ ہی مقصد ہے، تو ایسے شخص کے لئے ذبح کر کے بھی صدقہ کرنا جائز ہے (مستفاد: از فتاویٰ قاسمیہ ۱/ ۴۴۴)

"اے اللہ! تو نے کیسی پریشانی بھیج دی؟" کہنا

سوال: اگر کسی شخص کے سامنے کوئی پریشانی پیش آئے اور وہ کہہ دے کہ" اے اللہ! تو نے یہ کیسی اذیت

بھیج دی؟" تو کیا اس سے نکاح ختم ہو جائے گا؟

جواب: مذکورہ صورت میں اس شخص پر توبہ واستغفار کرنا لازم ہے، اور احتیاطا تجدید نکاح بھی کر لینا چاہئے۔(فتاویٰ قاسمیہ ۱/ ۸۷۴)

غیر مسلم کی چتا کو آگ لگانا:

سوال: غیر مسلم کی چتا کو آگ لگانا کیسا ہے؟ کیا اس سے مسلمان کافر ہو جائے گا؟

جواب: اگر مسلمان نے کسی غیر مسلم کی چتا کو آگ لگائی اور دل میں اس فعل پر ناگواری تھی تو اس فعل کی وجہ سے کفر تو لازم نہیں آتا؛ لیکن بہر حال یہ گناہ کا کام ہے، اس پر دل سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

(کتاب النوازل ۱/ ۷۴۳)

نماز کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے اُذان دینا

سوال: نماز کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے اُذان دینا کیسا ہے؟

جواب: نماز کے علاوہ دیگر بعض مواقع کے لئے بھی فقہاء کرام نے اُذان کا ذکر فرمایا ہے مثلاً:

۱۔بچہ کے کان میں اذان دینا۔ ۲۔جو شخص غم زدہ ہو اس کے کان میں اذان دینے سے اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ ۳۔جس شخص کو بیماری کے دورے پڑتے ہوں اس کے لئے اذان مفید ہے۔ ۴۔جس شخص پر غصہ غالب ہو جائے تو اُذان دینا اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے میں معاون ہے۔ ۵۔جو جانور بدک جائے یا جس انسان کے اخلاق بگڑ جائیں اس پر بھی اُذان دینا مفید ہے۔ ۶۔جب دشمن کی فوج حملہ آور ہو اس وقت اذان دی جائے۔ ۷۔آگ پھیل جانے کے وقت اُذان دینے کا حکم ہے۔ ۸۔سرکش جنات کے شر سے بچنے کے لئے بھی اُذان دینا ثابت ہے۔(کتاب النوازل ۳/ ۳۱۱)

غلطی سے امام کو غلط لقمہ دے دینا

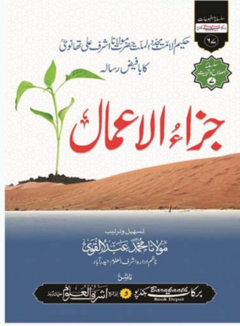
سوال: امام چوتھی رکعت کے تشہد میں بیٹھا تو مقتدی نے بے خبری میں تیسری رکعت کا گمان کرتے ہوئے "اللہ اکبر" سے غلط لقمہ دے دیا، تو کیا غلط لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

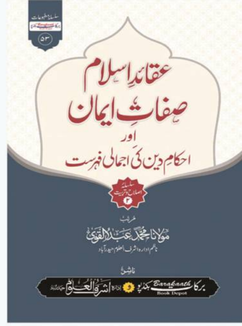
جواب: فرض نماز میں اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ مقتدی کے لیے امام کو لقمہ دینے (غلطی بتانے) میں جلدی کرنا مکروہ ہے۔صورتِ مسئولہ میں مذکورہ مقتدی کے امام کو غلطی سے غلط لقمہ دے دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔(البحر الرائق 4/ 52)

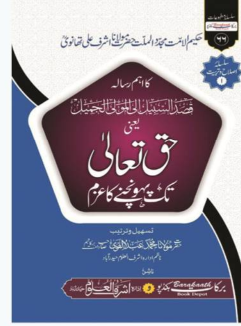
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/20-22

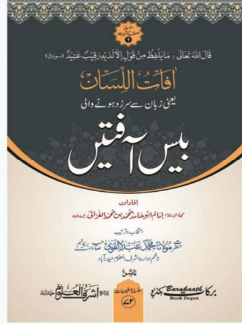
Date of Publication 3rd Dec-21, date of Posting 5th Dec-21

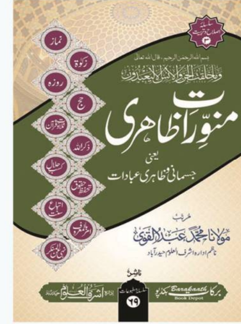


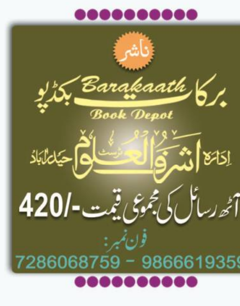


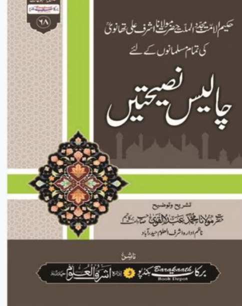


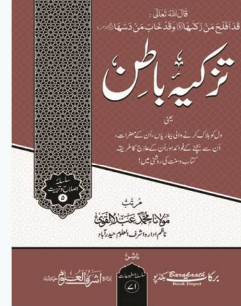












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59